نکاح کے مسائل

ریفرنس نمبر: Gul-2819 تاریخ: 04-03-2023

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ حدیث پاک میں ہے کہ "تزوجوا الودود الولود" یعنی محبت کرنے والی اور بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرو۔ میرا سوال یہ ہے کہ نکاح سے پہلے کیسے پتہ چلے گا کہ یہ عورت، شوہر سے محبت کرنے والی ہو گی اور یہ بچے پیدا کرنے والی ہو گی؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

سنن ابی داؤد کی حدیث پاک میں یہ الفاظ موجود ہیں اور محدثینِ کرام نے اس حدیث کی تشریح یہ بیان فرمائی ہے کہ جو کنواری لڑکی ہے، اس میں یہ دونوں صفات اس کے خاندان کی دیگر لڑکیوں کو دیکھ کر پہچانی جائیں گی، کیونکہ خاندان کی عورتیں عموماً اوصاف میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوتی ہیں۔ جو بیوہ یا طلاق والی ہو، اس میں یہ دونوں صفات اس کی پچھلی زندگی سے پہچانی جائیں گی۔

سوال میں مذکورہ حدیث کی شرح میں لمعات التنقیح، جلد6، صفحہ 15، مطبوعہ دمشق، اور المفاتیح فی شرح المصابیح میں فرمایا، النظم للمفاتیح: "فان قیل ان کانت المرأۃ ثیبا عرف کونھا ودودا ولودا فی نکاح زوجھا الأول فیعرف الرجال بعد ذلک کونھا ودودا ولودا فیتزوجونھا، وأما اذا کانت بکرا فکیف یعرف کونھا ودودا ولودا حتی یتزوجھا الرجال؟

قلنا: يعرف كونها ودودا ولودا بأقاربها، فان كانت نساء أقاربها ولودا تكون هي كذلك، لأن الغالب سراية طبائع نساء الأقارب من بعضهن الى بعض وتشبه بعضهن بعضا"

ترجمہ: اگر کہا جائے کہ عورت جب ثیبہ ہو، تب تو اس کا محبت کرنے والی اور بچے پیدا کرنے والی ہونا، اس کے پہلے نکاح کے ذریعے جانا جاسکتا ہے، اس طرح لوگ اس عورت کے بچہ پیدا کرنے والی اور محبت کرنے والی ہونا جان کر نکاح کرسکتے ہیں، اگر عورت کنواری ہو، تو پھر نکاح کرنے کے لیے اس میں یہ صفات کیسے پہچانی جائیں گی؟ ہم کہیں گے کہ عورت کا محبت کرنے والی بچے پیدا کرنے والی ہونا اقارب سے پہچانا جائے گا۔ اگر اس کی قریبی رشتہ دار خواتین زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہوں، تو وہ بھی ایسی ہی ہو گی کیونکہ عورتوں کا قریبی رشتہ داروں کی طبیعت میں ڈھل جانا غالب ہے، خاندان کی عورتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں۔ (المفاتیح، جلد4، صفحہ15، مطبوعہ کویت)

مرآۃ المناجیح میں ہے: "خیال رہے کہ بیوہ عورت کے یہ دونوں وصف اس کی گزشتہ زندگی سے معلوم ہوں گے اور کنواری کے یہ اوصاف اس کی خاندانی عورتوں سے ظاہر ہوں گے، کیونکہ اکثر لڑکیاں اپنی خاندانی عورتوں سے پہچانی جاتی ہیں۔" (مراۃ المناجیح، جلد5، صفحہ23، مطبوعہ لاھور)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

الجواب صحیح

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

کتبــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو محمد محمد فراز عطاری مدنی

11 شعبان المعظم 1444ھ/04 مارچ 2023ء

نکاح کے علاوہ زنا سے بچنے کا طریقہ

مجیب: ابو رجا محمد نور المصطفیٰ عطاری مدنی

فتوی نمبر: WAT-1067

تاریخ اجراء: 15 صفر المظفر 1444ھ/12 ستمبر 2022ء

دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

زنا سے بچنے کا نکاح کے علاوہ کوئی راستہ ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اللہ تعالی کا خوف اپنے دل میں پیدا کریں کہ یہ ہر طرح کے گناہ سے بچنے میں بہت مؤثر و معاون ہے۔ بری صحبت و ماحول اور بے پردگی کی جگہوں سے کنارہ کش رہ کر اچھی صحبت و ماحول اختیار کریں، اور جتنا ہو سکے زیادہ سے زیادہ وقت مدنی چینل دیکھیں اور دینی ماحول سے وابستہ رہیں۔ اپنے علاقے میں ہونے والے دعوت اسلامی کے ہفتہ وار اجتماع میں پابندی سے شرکت کریں اور کوشش کر کے ہر ماہ مدنی قافلے میں سفر کریں۔ ان شاء اللہ عزوجل گناہوں سے بچنے اور نیکیاں کرنے کا خوب ذہن بنے گا۔

اس بری عادت سے محفوظ رہنے یا نجات پانے کے آسان نسخے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں: چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا"اے جوانو! تم میں جو کوئی نکاح کی استطاعت رکھتا ہے وہ نکاح کرے کہ یہ اجنبی عورت کی طرف نظر کرنے سے نگاہ کو روکنے والا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جس میں نکاح کی استطاعت نہیں وہ روزے رکھے کہ روزہ شہوت کو توڑنے والا ہے۔ (بخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم، ۴۲۲/۳، الحدیث: ۵۰۶۶)

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلمَ نے ارشاد فرمایا" بے شک عورت ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جس نے کسی حسن و جمال والی عورت کو دیکھا اور وہ اسے پسند آگئی، پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی خاطر اپنی نگاہوں کو اس سے پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی عبادت کی توفیق عطا فرمائے گا جس کی لذت اسے حاصل ہو گی۔ (جمع الجوامع، قسم الاقوال، حرف الھمزۃ، ۴۶/۳، الحدیث: ۷۲۰۱)

بدکاری سے بچنے اور اس سے نفرت پیدا کرنے کا ایک طریقہ درج ذیل حدیث میں بھی موجود ہے، اگر اس حدیث پر غور کرتے ہوئے اپنی ذات پر غور کریں تو دل میں اس گناہ سے ضرور نفرت پیدا ہو گی۔ چنانچہ حضرت ابو امامہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں ”ایک نوجوان بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: یا رسولَ اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، مجھے زنا کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ یہ سن کر صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اسے مارنے کے لئے آگے بڑھے اور کہنے لگے، ٹھہر جاؤ، ٹھہر جاؤ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”اسے میرے قریب کر دو۔ وہ نوجوان حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ کر بیٹھ گیا۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ”کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری ماں کے ساتھ کوئی ایسا فعل کرے؟ اس نے عرض کی: یا رسولَ اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، خدا کی قسم! میں ہر گز یہ پسند نہیں کرتا۔ تاجدارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگ بھی یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان کی ماں کے ساتھ ایسی بری حرکت کرے۔ پھر ارشاد فرمایا ”کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری بیٹی کے ساتھ کوئی یہ کام کرے۔ اس نے عرض کی: یا رسولَ اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کی قسم! میں ہر گز یہ پسند نہیں کرتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگ بھی یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان کی بیٹی کے ساتھ ایسا قبیح فعل کرے۔ پھر ارشاد فرمایا ”کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہاری بہن کے ساتھ کوئی یہ حرکت کرے۔ اس نے عرض کی: یا رسولَ اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، خدا کی قسم! میں ہر گز اسے پسند نہیں کرتا۔ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگ بھی یہ پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان کی بہن کے ساتھ ایسے گندے کام میں مشغول ہو۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپھی اور خالہ کا بھی اسی طرح ذکر کیا اور اس نوجوان نے یونہی جواب دیا۔ اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینے پر اپنا دستِ مبارک رکھ کر دعا فرمائی ”اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَہٗ وَطَھِّرْ قَلْبَہٗ وَحَصِّنْ فَرْجَہ“ اے اللہ! اس کے گناہ بخش دے، اس کے دل کو پاک فرمادے اور اس کی شرمگاہ کو محفوظ فرمادے۔ اس دعا کے بعد وہ نوجوان کبھی زنا کی طرف مائل نہ ہوا۔ (مسند امام احمد، مسند الانصار، حدیث ابی امامۃ الباہلی۔۔۔ الخ، ۸/۲۸۵، الحدیث: ۲۲۲۷۴)

نیز کھانے میں حتی الامکان کمی کریں، مصالحے دار غذاؤں سے بچیں، اور کسی اچھے طبیب سے مشورہ کر کے کوئی دوا بھی استعمال کرلیں۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

مہر کی رقم کب ادا کرنا ہوتی ہے؟

فتوی نمبر: WAT-830

تاریخ اجراء: 21شوال المکرم1443ھ / 23مئی2022

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

مہر کی رقم کب ادا کرنا ہوتی ہے؟

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

مہر تین قسم کا ہوتا ہے: معجل، موجل، غیر موجل (موخر، مہر مطلق)

مہر اگر معجل ہے یعنی خلوت سے پہلے دینا قرار پایا ہے تو اس صورت میں خلوت سے پہلے پہلے ادا کردے، یہاں تک کہ مہرِ معجل وصول کرنے کے لیے عورت اپنے کو شوہر سے روک سکتی ہے یعنی یہ اختیار ہے کہ وطی و مقدمات وطی سے باز رکھے، خواہ کل معجل ہو یا بعض اور شوہر کو حلال نہیں کہ عورت کو مجبور کرے، اگرچہ اس کے پیشتر عورت کی رضا مندی سے وطی و خلوت ہو چکی ہو۔

اگر مہر مؤجل ہے یعنی اس کے لیے میعاد مقرر کی ہے تو جو میعاد مقرر کی ہے، اس پر دینا ہوتا ہے، اس سے پہلے عورت مطالبہ نہیں کرسکتی یہاں تک کہ اگر میعاد طلاق یا موت مقرر ہوئی تو طلاق یا وفات سے پہلے عورت مطالبہ نہیں کرسکتی۔

اگر مہر مطلق رکھا یعنی اس میں معجل یا موجل ہونے کا ذکر نہ کیا، جسے مہر غیر موجل یا موخر بھی کہتے ہیں، تو وہاں کے عرف کا اعتبار ہے۔ اگر وہاں عرف یہ ہے کہ معجل ہوتا ہے تو خلوت سے پہلے ادا کرنا ہو گا۔ اور اگر عرف یہ ہے کہ طلاق یا وفات تک موخر ہوتا ہے جیسے پاک و ہند میں عام طور پر ہے تو ایسی صورت میں طلاق یا وفات سے پہلے مطالبہ نہیں ہو سکتا۔

وَاللہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوۡلُہ اَعۡلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابوصدیق محمد ابوبکر عطاری

کیا زنا کرنے سے نکاح ٹوٹ جائے گا

مجیب: ابو محمد مفتی علی اصغر عطاری مدنی

فتوی نمبر: Nor-12384

تاریخ اجراء: 02صفر المظفر1444ھ/30اگست2022ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

اگر دیور اپنی بھابی کے ساتھ زنا کرلے، تو کیا اس صورت میں بھابھی اپنے شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی؟؟ رہنمائی فرمائیں۔

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

دیور، جیٹھ وغیرہ غیر مَحارِم رشتہ داروں سے بھی عورت کا پردہ کرنا لازم ہے بلکہ پردے کے معاملے میں تو ان سے زیادہ احتیاط ہونی چاہئے کہ جان پہچان اور رشتہ داری کی وجہ سے ان کے درمیان جھجک کم ہوتی ہے، جس کی وجہ سے ایک بِالکل ناواقف اجنبی کے مقابلے میں فتنوں کا اندیشہ زیادہ رہتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان سے پردے کی سخت تاکید بیان ہوئی، یہاں تک کہ حدیثِ مبارک میں دیور کو موت قرار دیا گیا ہے۔اگر ان معاملات میں غفلت برتی جائے تو آخرت کی بربادی کے ساتھ دنیا میں بھی اس کا بھیانک نتیجہ سامنے آجاتا ہے اور نوبت معاذ اللہ زنا تک پہنچ جاتی ہے۔

یادرہے کہ زنا کی شدید مذمت قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہے، اس برے فعل سے بچنا ہر مسلمان پر شرعاً لازم و ضروری ہے۔ صورتِ مسئولہ میں دیور اور بھابھی دونوں پر لازم ہے کہ صدقِ دل سے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کریں اور آئندہ اس گناہ سے باز رہیں نیز شرعی احکام کے مطابق پردے کو یقینی بنائیں۔ **البتہ دیور کے زنا کرنے کے سبب عورت کا اپنے شوہر سے نکاح نہیں ٹوٹے گا، وہ بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں رہے گی۔**

زنا کی مذمت پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةًؕ-وَ سَآءَ سَبِیْلًا(۳۲)“ ترجمہ کنزالایمان: ”اور بدکاری کے پاس نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی بُری راہ۔“ (القرآن الکریم: پارہ15، سورۃ بنی اسرائیل، آیت 32)

صحیح بخاری میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"رایتُ اللیلۃ رجلین اتیانی فاخذابیدي فاخرجانی الی الارض المقدسۃ۔۔۔ فانطلقنا الی ثقبٍ مثل التنّور اعلاہ ضیق واسفلہ واسعٌ یتوقّد تحتہ نارٌ فاذا اقترب ارتفعوا حتی کادوا ان یخرجوا فاذا خمدت رجعوا فیھا وفیھا رجال ونساء عراۃٌ فقلتُ: من ھذا؟ قالا:۔۔۔ والذی رایتہ فی الثقب فھم الزناۃ"یعنی میں نے رات کے وقت دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے مقدس سر زمین کی طرف لے گئے (اس حدیث میں چند مشاہدات بیان فرمائے اُن میں ایک یہ بات بھی ہے) ہم ایک سوراخ کے پاس پہنچے جو تنور کی طرح اوپر سے تنگ ہے اور نیچے سے کشادہ، اُس میں آگ جل رہی ہے اور اُس آگ میں کچھ مرد اور عورتیں برہنہ ہیں، جب آگ کا شعلہ بلند ہوتا ہے تو وہ لوگ اوپر آجاتے ہیں حتی کہ نکلنے کے قریب ہو جاتے ہیں اور جب شعلے کم ہوتے ہیں تو وہ بھی اندر چلے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرشتوں نے کہا، جو لوگ آپ نے کنویں میں دیکھے تھے وہ یہ زانی مرد اور عورتیں ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین، ج 01، ص 465، دار ابن کثیر، بیروت، ملتقطاً)

صحیح بخاری شریف اور دیگر کتبِ احادیث میں دیور سے پردے کی تاکید کچھ یوں مذکور ہے:"والنظم للاول "عن عقبۃ بن عامر أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال "إیاکم والدخول علی النساء" فقال رجل من الأنصار یا رسول اللہ أفرأیت الحمو؟ قال "الحمو الموت"۔"یعنی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیور کے متعلق ارشاد فرمایئے تو فرمایا: دیور تو موت ہے۔
(صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل۔۔۔ الخ، ج 05، ص 2005، دار ابن کثیر، بیروت)

مذکورہ بالا حدیث کے متعلق مراۃ المناجیح میں ہے:"**یعنی بھاوج کا دیور سے بے پردہ ہونا موت کی طرح باعث ہلاکت ہے۔** یہاں مرقات نے فرمایا کہ حمو سے مراد صرف دیور یعنی خاوند کا بھائی ہی نہیں بلکہ خاوند کے تمام وہ قرابت دار مراد ہیں جن سے نکاح درست ہے جیسے خاوند کا چچا ماموں پھوپھا وغیرہ۔ اسی طرح بیوی کی بہن یعنی سالی اور اس کی بھتیجی بھانجی وغیرہ سب کا یہ ہی حکم ہے۔ خیال رہے کہ **دیور کو موت اس لیے فرمایا کہ عادتاً بھاوج دیور سے پردہ نہیں کرتیں بلکہ اس سے دل لگی، مذاق بھی کرتی ہیں اور ظاہر ہے کہ اجنبیہ غیر محرم سے مذاق دل لگی کسی قدر فتنہ کا**

باعث ہے۔ اب بھی زیادہ فتنہ دیور بھاوج اور سالی بہنوئی میں دیکھے جاتے ہیں۔" (مرآۃ المناجیح، ج 05، ص 14، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

اجنبی کے مقابلے میں نامحرم رشتہ داروں سے پردے کی تاکید بیان کرتے ہوئے سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: "جیٹھ، دیور، پھپا، خالو، چچازاد، ماموں زاد پھپی زاد، خالہ زاد بھائی سب لوگ عورت کے لئے محض اجنبی ہیں، **بلکہ ان کا ضرر نرے بیگانے شخص کے ضرر سے زائد ہے کہ محض غیر آدمی گھر میں آتے ہوئے ڈرے گا، اور یہ آپس کے میل جول کے باعث خوف نہیں رکھتے۔ عورت نرے اجنبی شخص سے دفعۃً میل نہیں کھا سکتی، اور اِن سے لحاظ ٹوٹا ہوتا ہے۔** لہٰذا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیر عورتوں کے پاس جانے کو منع فرمایا، ایک صحابی انصاری نے عرض کی: یارسول اللہ! جیٹھ دیور کے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا: الحموا الموت، رواہ الحمد والبخاری عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیٹھ دیور تو موت ہیں۔" (فتاوی رضویہ، ج 22، ص 217، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

فتاوی فقیہِ ملت میں سوال ہوا "زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی، آٹھ ماہ بعد حمل قرار پایا جب حمل چار ماہ کا ہوا تو زید پندرہ دن کے لیے کہیں باہر چلا گیا۔ واپسی پر **ہندہ نے زید سے بتایا کہ آپ کے بھائی نے زبردستی میرے ساتھ برائی کی۔ سوال یہ ہے کہ کیا زید کا نکاح ہندہ سے ٹوٹ گیا؟**" اس کے جواب میں ہے: "**اگر واقعی زید کے بھائی نے اس کی منکوحہ ہندہ کے ساتھ برائی کی ہے تو وہ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوا توبہ واستغفار کرے۔ لیکن اس کے زنا کرنے سے زید کا نکاح نہیں ٹوٹا۔**" (فتاوی فقیہ ملت، ج 01، ص 401-400، شبیر برادرز لاہور، ملخصاً)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

لڑکی کا باپ مہر معاف کرے یا لڑکی خود نزع کے وقت معاف کرے، تو معاف ہوگا؟

ریفرنس نمبر: Nor.12073 تاریخ: 25-03-2022

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ مجھے حق مہر سے متعلق دو سوالات کا حل مطلوب ہے:

(1) عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کے گھر والوں کی رضامندی سے ہو اور لڑکی کا والد لڑکے کو حق مہر معاف کردے۔ شریعت اس بارے میں کیا کہتی ہے؟

(2) ہمارے ہاں بعض مقامات پر ایسا ہوتا ہے کہ جب عورت کا انتقال ہونے لگتا ہے یا وہ مرض الموت میں ہو اور اس کا شوہر حیات ہو تو اس حالت میں عورت کے ورثاء اس سے حق مہر معاف کرواتے ہیں اور عورت معاف کردیتی ہے اور بعض جگہ عورت کے ورثاء ڈیمانڈ نہیں کرتے بلکہ عورت رسم و رواج کو دیکھتے ہوئے از خود مہر معاف کردیتی ہے۔ اس معاف کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

(1) بالغہ لڑکی کا حق مہر اس کا والد معاف نہیں کرسکتا اگر والد معاف کرے گا، تو جب تک لڑکی اپنی مکمل رضامندی سے اس معافی کو تسلیم نہ کرلے، حق مہر معاف نہیں ہوگا اور شوہر پر حق مہر بدستور لازم رہے گا، یونہی لڑکی نے باپ کی معافی کو قبول کیا، مگر لڑکی کی اس میں رضا شامل نہیں، تو بھی حق مہر معاف نہیں ہوگا، ہاں لڑکی نے باپ کی معافی کو اپنی مکمل رضامندی کے ساتھ قبول کیا اور شوہر نے اس معافی سے انکار نہ کیا، تو اب شوہر پر حق

مہر لازم نہ رہا۔

مہر معاف ہونے کے لیے عورت کی رضامندی ضروری ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَىۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓــًٔـا مَّرِيۡٓــًٔـا﴾ترجمہ کنزالایمان:"اور عورتوں کے ان کے مہر خوشی سے دو، پھر اگر وہ اپنے دل کی خوشی سے مہر میں سے تمہیں کچھ دے دیں، تو اسے کھاؤ رچتا پچتا۔"

(القرآن الکریم، پارہ4، سورۃ النساء، آیت:04)

اس آیتِ مبارکہ کے تحت صدر الافاضل مولانا مفتی نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:"عورتوں کو اختیار ہے کہ وہ اپنے شوہروں کو مہر کا کوئی جزو ہبہ کریں یا کل مہر مگر مہر بخشوانے کے لیے انہیں مجبور کرنا، ان کے ساتھ بد خلقی کرنا نہ چاہیئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿طِبۡنَ لَكُمۡ﴾ فرمایا جس کے معنیٰ ہیں: دل کی خوشی سے معاف کرنا۔"

(تفسیر خزائن العرفان، سورۃ النساء، آیت04، ص153، مکتبۃ المدینہ)

مہر معاف ہونے کے لیے عورت کی رضامندی ضروری ہے، جبری مہر معاف کرانا درست نہیں، جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے:"وان حطت عن مہرھا صحّ الحط کذا فی الھدایۃ ولا بد فی صحّۃ حطّھا من الرضا حتی لو کانت مُکرَھۃً لم یصحّ"یعنی عورت نے اپنا حق مہر معاف کر دیا، تو یہ ٹھیک ہے، بشرطیکہ اس کی مکمل رضامندی ہو، یہاں تک کہ اگر مجبور ہو کر معاف کیا، تو معاف نہیں ہو گا۔

(الفتاوی الھندیۃ، ج1، ص313، مطبوعہ پشاور)

بالغہ لڑکی کا حق مہر اکیلا باپ معاف نہیں کر سکتا، جیسا کہ فتاوی شامی میں ہے:"(قولہ: وصح حطھا) الحط الاسقاط کما فی المغرب وقید بحطھا لان حط ابیھا غیر صحیح لو صغیرۃ **ولو کبیرۃ توقف علی اجازتھا ولا بدّ من رضاھا**"یعنی درِّ مختار میں جو یہ کہا کہ عورت اپنا مہر معاف کر سکتی ہے، تو یہ قید اس لیے لگائی کہ اگر عورت نابالغہ ہے اور اس کا باپ معاف کرنا چاہتا ہے، تو معاف کرنا صحیح نہیں **اور بالغہ ہے تو اس کی اجازت اور رضامندی پر معافی موقوف ہے۔**

(ردّالمحتار مع درمختار، ج4، ص239، مطبوعہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:"عورت کل مہر یا جز معاف کرے، تو معاف ہو جائے

گا، بشرطیکہ شوہر نے انکار نہ کر دیا ہو اور **اگر عورت نابالغہ ہے اور اس کا باپ معاف کرنا چاہتا ہے، تو نہیں کر سکتا اور بالغہ ہے تو اس کی اجازت پر معافی موقوف ہے۔**" (بهارشریعت، ج2، حصه7، ص68، مطبوعه مکتبة المدینه)

(2) عورت مرض الموت میں ہو یا بوقتِ نزع خود اپنا مہر معاف کرے یا بیوی سے کوئی حق مہر معاف کرائے اور بیوی اس کی تصدیق کرے، تو اس طرح مہر معاف نہیں ہو گا، جب تک دیگر ورثاء کی اجازت نہ ہو، ہاں دیگر ورثاء نے اس معافی کو تسلیم کر لیا، تو اب شوہر سے حق مہر ساقط ہو جائے گا۔

عورت مرض الموت میں ہو، تو اس حالت میں مہر معاف کرنے سے معاف نہ ہو گا، جیسا کہ بحر الرائق، فتاوی عالمگیری اور فتاوی شامی میں ہے: واللفظ للبحر "ولا بد فی صحۃ حطّھا من ان لا تکون مریضۃ مرض الموت" یعنی مہر معاف ہونے کے لیے ضروری ہے کہ عورت مرض الموت میں نہ ہو۔

(البحر الرائق، ج3، ص264، مطبوعه کوئٹه)

شیخ الاسلام والمسلمین امام اہلسنّت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ سے سوال ہوا: "اگر کسی نے بی بی کے نزع کے وقت اس سے کہا کہ میرا دَین مہر معاف کیا۔ اس نے زبان سے بوجہ آواز بند ہو جانے کے جواب نہ دیا، لیکن سر ہلا دیا، تو اس کا دَین مہر معاف ہوا یا نہیں؟"

اس کے جواب میں آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا: "مرض الموت میں مہر کی معافی بے اجازت دیگر ورثاء معتبر نہیں۔" **(فتاوی رضویه، ج12، ص181، 180، رضافاؤنڈیشن، لاهور)**

واللہ اعلم عزوجل **و رسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــــــــہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

21 شعبان المعظم 1443ھ/25 مارچ 2022ء

ریفرینس نمبر: Har 5010　　بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　　تاریخ: 28-10-2018

مہنگائی کی وجہ سے زیادہ مہر کا مطالبہ کرنا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی شادی ہوئی، لیکن اب معاملات اس حد تک خراب ہو گئے ہیں کہ طلاق دینی پڑے گی۔ لڑکی والے کہہ رہے ہیں کہ چونکہ اب مہنگائی زیادہ ہو چکی ہے، لہٰذا مہر دُگنا دینا ہو گا، جبکہ وقتِ عقد مہر پانچ ہزار روپے مقرر ہوا تھا۔ پوچھنا یہ ہے کہ طلاق ہونے کی صورت میں کتنا مہر دینا ہو گا؟

نوٹ! شادی پانچ سال پہلے ہوئی تھی اور اس وقت پانچ ہزار روپے دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی کی قیمت سے بہت زائد تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

شریعتِ مطہرہ میں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم یعنی دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی یا اس کی قیمت ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، جتنا بھی مقرر کر دیا جائے لازم ہو گا۔ نیز اس میں اعتبار وقتِ عقد کا ہے، لہٰذا وقتِ عقد جو مہر مقرر ہوا، وہ دس درہم یا اس سے زیادہ قیمت کا ہو، تو وہی لازم ہو گا، مہنگائی وغیرہ کی وجہ سے اس میں زیادتی کا مطالبہ جائز نہیں ہو گا۔

صورتِ مسئولہ میں بوقتِ نکاح مہر میں مقرر کی گئی رقم چونکہ اس وقت دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی کی قیمت سے زیادہ تھی، لہٰذا طلاق ہونے کی صورت میں صرف یہی مقرر کردہ پانچ ہزار روپے لازم ہوں گے اور لڑکی والوں کی جانب سے زیادتی کا مطالبہ جائز نہیں ہے۔

تنویر الابصار و درمختار میں ہے: "(اقلہ عشرۃ دراھم مضروبۃ کانت او لا) ولو دینا اوعرضا قیمتہ عشرۃ وقت العقد۔ ملخصا۔" مہر کی کم ازکم مقدار دس درہم ہیں، خواہ ڈھلے ہوئے ہوں یا بغیر ڈھلے ہوئے اگرچہ مہر

دین کی صورت میں ہو یا کوئی سامان ہو، جس کی قیمت عقد کے وقت دس درہم ہو۔

(الدر المختار مع رد المحتار، جلد4، صفحہ220، 222، مطبوعہ کوئٹہ)

علامہ محقق ابن عابدین الشامی علیہ الرحمۃ در مختار کی عبارت (قیمتہ عشرۃ وقت العقد) کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: "ای وان صارت یوم التسلیم ثمانیۃ فلیس لھا الا ھو الخ" یعنی اگرچہ ادائیگی کے دن قیمت آٹھ درہم ہو جائے، عورت (عقد کے وقت) ذکر کیے گئے ہی کی مستحق ہو گی۔

(الدر المختار مع رد المحتار، جلد4، صفحہ222، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں: " مہر شرعی کی کوئی تعداد مقرر نہیں، صرف کمی کی طرف حد معین ہے کہ دس درم سے کم نہ ہو اور زیادتی کی کوئی حد نہیں، جس قدر باندھا جائے گا، لازم آئے گا۔ ملخصا"

(فتاوی رضویہ، جلد12، صفحہ165، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، لاھور)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ مزید ارشاد فرماتے ہیں: " اگر درہم کے سوا کوئی اور چیز مہر ٹھہری، تو اس کی قیمت عقد کے وقت دس درہم سے کم نہ ہو اور اگر اس وقت تو اسی قیمت کی تھی، مگر بعد میں قیمت کم ہو گئی، تو عورت وہی پائے گی، پھیرنے کا اسے حق نہیں۔"

(بہار شریعت، جلد2، صفحہ64، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــہ

عبدہ المذنب ابو الحسن فضیل رضا عطاری عفا عنہ الباری

18 صفر المظفر 1440ھ/28 اکتوبر 2018ء

منگیتر کے ساتھ گھومنا پھرنا، باتیں، ملاقات وغیرہ کرنا کیسا؟

ریفرنس نمبر pin6648 تاریخ 12-01-2021

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ شادی سے پہلے لڑکے لڑکی کا ایک دوسرے کو دیکھنا، اکٹھے گھومنا پھرنا، ملاقات کرنا اور فون پر باتیں کرنا، جائز ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

جس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو، پیغامِ نکاح بھیجنے سے پہلے اس کو کسی حیلے بہانے سے دیکھنا یا کسی معتبر عورت کے ذریعے دِکھوالینا جائز ہے، اسی طرح لڑکی کا لڑکے کو دیکھنا بھی جائز ہے۔ اس دیکھنے میں دونوں کی یہی نیت ہو کہ ایک حدیث پر عمل کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس سے نکاح کرنا چاہتے ہو، اس کو دیکھ لو کہ یہ بقائے محبت کا ذریعہ ہے۔ یہ خیال رہے کہ اس دیکھنے میں دونوں میں تنہائی نہ ہو کہ یہ دونوں نکاح سے پہلے ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں اور اجنبی مرد و عورت میں تنہائی اور خلوت حرام ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ عورت مکمل باپردہ ہو، صرف اس کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے۔ اس کے بال، کلائی، کان، گلا وغیرہ اعضائے ستر کھلے نہ ہوں، ان اعضاء کی طرف نظر کرنا حرام ہے اور ان اعضاء میں سے کسی عضو کو چھپائے بغیر عورت کا اس مرد کے سامنے آنا بھی حرام ہے۔

جب اس عورت کے ساتھ صرف تنہائی اور خلوت حرام ہے، تو ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلفی سے ملنا، گھومنا پھرنا، چھونا، ملاقاتیں کرنا، بلاضرورت فون پر باتیں کرنا، تو حرام در حرام، شیطانی کام اور سراسر گناہ ہے۔ یہ سب مغربی تہذیب و تمدن اور اغیار کی بے حیائی میں سے ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ“ ترجمہ کنز الایمان: ” مسلمان مردوں کو حکم دو: اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے بہت ستھرا ہے۔ بیشک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے اور مسلمان

عورتوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤنہ دکھائیں، مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں۔" (پارہ18، سورۃالنور، آیت30، 31)

نکاح سے پہلے مرد کے لیے عورت کو کسی حیلے بہانے سے دیکھنے کی اجازت ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:"إذا خطب أحد کم المرأة فإن استطاع أن ینظر إلی مایدعوہ إلی نکاحھا فلیفعل" ترجمہ: جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینے لگے، تو اگر اس کو دیکھ سکے، جو اسے اس عورت کے نکاح کی طرف لے جائے تو وہ ضرور ایسا کرلے۔

(سنن ابو داؤد، جلد1، صفحہ301، مطبوعہ لاھور)

مفسر قرآن مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:"مخطوبہ وہ عورت ہے، جس کے نکاح کا پیغام دیا گیا ہو یا دینا ہو، مخطوبہ کو دیکھ لینا یا دِکھوا لینا مستحب ہے۔۔۔ دیکھنے سے مراد چہرہ دیکھنا ہے کہ حسن و قبح چہرے ہی میں ہوتا ہے اور اس سے مراد وہ ہی صورت ہے جو ابھی ذکر کی گئی، یعنی کسی بہانہ سے دیکھ لینا یا کسی معتبر عورت سے دکھوا لینا، نہ کہ باقاعدہ عورت کا انٹرویو کرنا، جیسا کہ آج کل کے بے دینوں نے سمجھا۔"

(مرأۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، جلد5، صفحہ12، 11 نعیمی کتب خانہ، گجرات)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:"أن المغیرۃ بن شعبۃ أراد أن یتزوج امرأۃ فقال لہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذھب فانظر إلیھا فإنہ أحری أن یؤدم بینکمافعل فتزوجھا فذکر من موافقتھا" ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: آپ جائیں اور اس عورت کو ایک نظر دیکھ لیں کہ بے شک یہ تم دونوں کے درمیان دائمی محبت کا ذریعہ ہے، انہوں نے ایسا ہی کیا اور پھر اس عورت سے نکاح کیا اور انہوں نے ذکر کیا کہ زوجہ اور ان کے درمیان موافقت ہے۔ (سنن ابن ماجہ، صفحہ134، مطبوعہ کراچی)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:"ألا لا یخلون رجل بإمرأۃ إلا کان ثالثھما الشیطان" ترجمہ: خبردار! کوئی شخص کسی عورت سے خلوت نہیں کرتا، مگر ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ (سنن الترمذی، جلد1، صفحہ221، مطبوعہ کراچی)

الزواجر عن اقتراف الکبائر میں حدیث پاک ہے:" ایاکم والدخول علی النساء" یعنی اجنبی عورتوں کے

پاس جانے سے بچو۔ (الزواجر عن اقتراف الكبائر، جلد2، صفحہ4، مطبوعہ بیروت)

درمختار میں اشباہ کے حوالے سے ہے: "الخلوة بالأجنبية حرام" یعنی اجنبیہ کے ساتھ خلوت حرام ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، جلد9، صفحہ607، مطبوعہ پشاور)

مفتی وقارالدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "نکاح سے پہلے لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے لیے اجنبی اور غیر محرم ہیں۔" (وقارالفتاوی، جلد3، صفحہ134، مطبوعہ کراچی)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہے: "عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو تو اس نیت سے دیکھنا جائز ہے کہ حدیث میں یہ آیا ہے کہ جس سے نکاح کرنا چاہتے ہو، اس کو دیکھ لو کہ یہ بقائے محبت کا ذریعہ ہو گا۔ اسی طرح عورت اس مرد کو جس نے اُس کے پاس پیغام بھیجا ہے، دیکھ سکتی ہے، اگرچہ اندیشہ شہوت ہو، مگر دیکھنے میں دونوں کی یہی نیت ہو کہ حدیث پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔"

(بہارشریعت، جلد3، حصہ16، صفحہ447، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

عبدہ المذنب محمد نوید چشتی

27 جمادی الاولی 1442ھ 12 جنوری 2021ء

الجواب صحیح

مفتی محمد قاسم عطاری

بالغہ غیر شادی شدہ لڑکی کا نفقہ کس پر ہے؟

مجیب: ابو حفص مولانا محمد عرفان عطاری مدنی

فتوی نمبر: WAT-2529

تاریخ اجراء: 01 شعبان المعظم 1445 ھ / 12 فروری 2024ء

دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

اگر لڑکی بالغہ ہو، خود کماتی بھی ہو مگر شادی شدہ نہ ہو تو کیا اس صورت میں اس لڑکی کا نفقہ باپ پر لازم ہو گا یا نہیں؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جس لڑکی کا اپنا کوئی ذریعہ معاش ہو، جس کی وجہ سے اس کی ملکیت میں اتنا مال ہو، جو اس کے نفقے کے لئے کافی ہو، تو اگرچہ وہ شادی شدہ نہ ہو، اس کا نفقہ اس کے باپ پر ہرگز لازم نہیں ہو گا، بلکہ اس کا نفقہ خود اسی کی کمائی سے ہو گا، کیونکہ غیر شادی شدہ لڑکی کا نفقہ باپ پر شرعاً اس وقت لازم ہوتا ہے، جب خود لڑکی کی اپنی ملکیت میں بقدر کفایت مال نہ ہو، ورنہ اگر لڑکی بقدر کفایت اپنا ذاتی مال رکھتی ہو تو اس کا نفقہ باپ پر لازم نہیں ہوتا، بلکہ خود اسی کے مال میں لازم ہوتا ہے۔

تنویر الابصار مع در مختار میں ہے: "(وتجب) النفقة بانواعها على الحر (لطفله) يعم الانثى (الفقير) الحر فان نفقة المملوک علی مالکه والغنی فی ماله الحاضر" ترجمہ: آزاد شخص پر اپنے بچوں جس میں بیٹی بھی شامل ہے، کا نفقہ اپنی تمام انواع واقسام کے ساتھ واجب ہے، (جبکہ وہ بچے) فقیر آزاد ہوں کیونکہ مملوک کا نفقہ اس کے مالک پر، اور مالدار کا اس کے موجود مال میں نفقہ لازم ہے۔ (تنویر الابصار مع در مختار، جلد 5، باب النفقۃ، صفحہ 345، مطبوعہ کوئٹہ)

رد المحتار علی الدر المختار میں ہے: "قال الخير الرملی: لو استغنت الانثی بنحو خياطة وغزل يجب أن تكون نفقتها فی كسبها كما هو ظاهر، ولا نقول علی الاب مع ذلک، الا اذا كان لا يكفيها فتجب على الاب كفايتها بدفع القدر المعجوز عنه" ترجمہ: خیر الدین رملی نے فرمایا کہ اگر لڑکی سلائی اور سوت کاتنے

وغیرہ کسی ذریعے سے کمائی کرکے، مال والی ہو جائے تو اس کا نفقہ، اسی کی کمائی میں واجب ہو گا جیسا کہ ظاہر ہے، اور لڑکی کی کمائی کرنے کے باوجود ہم باپ پر نفقے کا لازم ہونا نہیں کہیں گے، ہاں اس صورت میں کہ جب اس کی کمائی اسے کافی نہ ہو تو باپ پر اتنی مقدار میں مال دے کر جس کو حاصل کرنے سے وہ عاجز ہے، اس کے نفقے کو پورا کر دینا لازم ہو گا۔(ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد5، باب النفقۃ، صفحہ345، مطبوعہ کوئٹہ)

فتاوی عالمگیری میں ہے:"ونفقۃ الاناث واجبۃ مطلقاً علی الآباء مالم یتزوجن اذا لم یکن لھن مال کذا فی الخلاصۃ" ترجمہ: اور لڑکیوں کا نفقہ ان کے کنوارے رہنے تک، ان کے آباء پر مطلقاً واجب ہو گا، جبکہ خود ان کی ملکیت میں مال نہ ہو، یونہی خلاصہ میں ہے۔(الفتاوی الھندیۃ، جلد1، باب النفقات، صفحہ574-575، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فتاوی رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں:"اولاد کا نفقہ ان کی محتاجی کی حالت میں لازم ہوتا ہے، اگر مال رکھتے ہیں، ان کا نفقہ باپ پر نہیں، ورنہ ہے۔"(فتاوی رضویہ، جلد13، صفحہ462، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

زانیہ سے نکاح کے دو ماہ بعد بچہ پیدا ہوا، تو کیا مرد سے اس بچے کا نسب ثابت ہوگا؟

مجیب: ابو محمد مفتی علی اصغر عطاری مدنی

فتوی نمبر: Nor-13079

تاریخ اجراء: 16ربیع الثانی1445ھ/01نومبر2023ء

دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ہندہ سے زنا کیا جس سے ہندہ حاملہ ہو گئی۔ پھر زید نے ہندہ ہی سے نکاح کیا اور نکاح کے تقریباً دو ماہ بعد ہندہ کے ہاں بچے کی ولادت ہوئی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس بچے کا نسب زید سے ثابت ہو گا؟ اور زید کی جائیداد میں اس بچے کا حصہ ہو گا؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

استغفر اللہ! زنا، ناجائز و حرام، جہنم کا مستحق بنانے والا، بے حیائی پر مشتمل کام ہے، اس کی شدید مذمت قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ اس برے فعل سے بچنا ہر مسلمان پر شرعاً لازم و ضروری ہے۔ پوچھی گئی صورت میں زید اور ہندہ دونوں پر شرعاً لازم ہے کہ توبہ کے تمام تقاضے پورے کرتے ہوئے اس گناہ سے صدقِ دل سے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کریں اور آئندہ اس گناہ سے باز رہیں، نیز ہر اس چیز سے دور بھاگیں جو اس گناہ میں معاون و مددگار بنے۔

البتہ پوچھے گئے سوال کے جواب میں ضابطہ یہ ہے کہ کسی عورت سے زنا کیا پھر اُسی زانیہ عورت سے نکاح کیا اور چھ مہینے یا زائد میں بچہ پیدا ہوا تو بچے کا نسب اس زانی مرد سے ثابت ہو گا اور چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں ہو گا۔ صورتِ مسئولہ میں نکاح کے تقریباً دو ماہ بعد وہ بچہ پیدا ہوا ہے لہذا پوچھی گئی صورت میں اس بچے کا نسب زید سے ثابت نہیں ہو گا اور وہ بچہ زید کی وراثت میں حقدار بھی نہیں ہو گا۔

زنا کی مذمت پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةًؕ-وَ سَآءَ سَبِیْلًا(۳۲)“ ترجمہ کنزالایمان: ”اور بدکاری کے پاس نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی بُری راہ۔“ (القرآن الکریم: پارہ 15، سورۃ بنی اسرائیل، آیت 32)

زنا کی نحوست اور اس کی ہولناکی کا اندازہ درج ذیل احادیثِ مبارکہ سے لگائیے صحیح بخاری میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "رایتُ اللیلۃ رجلین اتیانی فاخذا بیدي فاخرجانی الی الارض المقدسۃ۔۔۔فانطلقنا الی ثقبٍ مثل التنّور اعلاہ ضیق واسفلہ واسعٌ یتوقّد تحتہ نارٌ فاذا اقترب ارتفعوا حتی کادان یخرجوا فاذا خمدت رجعوا فیھا وفیھا رجال ونساء عراۃٌ فقلتُ: من ھذا؟ قالا:۔۔۔والذی رایتہ فی الثقب فھم الزناۃ" یعنی میں نے رات کے وقت دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے مقدس سرزمین کی طرف لے گئے (اس حدیث میں چند مشاہدات بیان فرمائے اُن میں ایک یہ بات بھی ہے) ہم ایک سوراخ کے پاس پہنچے جو تنور کی طرح اوپر سے تنگ اور نیچے سے کشادہ تھا، اُس میں آگ جل رہی ہے اور اُس آگ میں کچھ مرد اور عورتیں برہنہ ہیں۔ جب آگ کا شعلہ بلند ہوتا ہے تو وہ لوگ اوپر آجاتے ہیں اور جب شعلے کم ہوجاتے ہیں تو شعلے کے ساتھ وہ بھی اندر چلے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ تو فرشتوں نے عرض کی یہ زانی مرد اور عورتیں ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماقیل فی اولاد المشرکین، ج 02، ص 100، دار طوق النجاۃ، ملتقطاً)

نکاح کے بعد چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب مرد سے ثابت نہیں ہوگا۔ چنانچہ فتاوٰی عالمگیری وغیرہ کتبِ فقہیہ میں ہے: "إذا تزوج الرجل امرأۃ فجاءت بالولد لأقل من ستۃ أشھر منذ تزوجھا لم یثبت نسبہ، وإن جاءت بہ لستۃ أشھر فصاعدا یثبت نسبہ منہ، اعترف بہ الزوج أو سکت" یعنی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور وہ عورت نکاح کے بعد چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا کردے تو اس بچے کا نسب مرد سے ثابت نہیں ہوگا۔ اور اگر چھ ماہ یا اس سے زائد پر بچہ پیدا ہو تو اس بچے کا نسب مرد سے ثابت ہوگا خواہ مرد اس کا اقرار کرے یا خاموش رہے۔ (فتاوٰی عالمگیری، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، ج 01، ص 536، مطبوعہ پشاور)

فتح القدیر میں ہے: "(قولہ وإذا تزوج الرجل امرأۃ فجاءت بولد لأقل من ستۃ أشھر منذ یوم تزوجھا لم یثبت نسبہ) لأن أقل مدۃ الحمل ستۃ أشھر فلزم کونہ من علوق قبل النکاح، وإن جاءت بہ لأکثر منھا ثبت، ولا إشکال سواء اعترف بہ الزوج أو سکت، وکذا إذا جاءت بہ لتمام الستۃ بلا زیادۃ لاحتمال أنہ تزوجھا واطئالھا فوافق الإنزال النکاح، والنسب یحتاط في إثباتہ" یعنی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور وہ عورت چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا کردے تو بچے کا نسب مرد سے ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ کم از کم مدتِ حمل چھ ماہ ہے۔ اس سے کم میں بچہ پیدا ہونے پر یہ بات لازم ہے کہ یہ حمل نکاح سے پہلے کا ہے۔ اور اگر

عورت چھ ماہ سے زائد پر بچہ پیدا کرے تو بچے کا نسب باپ سے ثابت ہو گا، خواہ مرد اس کا اقرار کرے یا خاموش رہے۔ اسی طرح اگر پورے چھ ماہ پر بچہ پیدا ہو تو بچے کا نسب مرد سے ثابت ہو گا اس احتمال کی بنا پر کہ مرد نے نکاح کرتے ہی وطی کی ہو تو انزال نکاح کے برابر مدت میں واقع ہوا، اور نسب کے اثبات میں احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔(فتح القدیر علی الهدایة، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب، ج04، ص89، دار الفکر، لبنان)

بہارِ شریعت میں ہے: "**کسی عورت سے زنا کیا پھر اُس سے نکاح کیا اور چھ مہینے یا زائد میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہے اور کم میں ہوا تو نہیں** اگرچہ شوہر کہے کہ یہ زنا سے میرا بیٹا ہے۔"(بہارِ شریعت، ج02، ص251، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

فتاوٰی امجدیہ میں ایک سوال کے جواب میں مذکور ہے: "جس عورت کو زنا کا حمل ہے اس حالتِ حمل میں نکاح درست ہے پھر اگر نکاح اسی سے ہوا جس کا حمل ہے تو وہ وطی بھی کر سکتا ہے اور دوسرے سے ہوا تو نہیں کر سکتا، **یہ لڑکا اگر وقتِ نکاح سے** چھ مہینہ یا زیادہ میں پیدا ہوا ہے تو اسے ولد الزنا نہیں کہہ سکتے، اور **چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا ہے تو ناجائز اولاد ہے یعنی اللہ بخش کا لڑکا نہیں قرار پائے گا۔**"(فتاوٰی امجدیہ، ج02، ص295، مکتبہ رضویہ کراچی)

ولد الزنا وراثت میں حقدار نہ ہو گا۔ جیسا کہ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: "اگر زوجہ نکاح میں ہے اور سالی سے زنا کیا تو زوجہ سے قربت بھی حرام نہ ہو گی، نہ اس کی اولاد ولد الحرام ہو گی، **سالی سے جو بچے ہوں گے ولد الزنا ہوں گے اور زید کا ترکہ نہ پائیں گے۔**"(فتاوٰی رضویہ، ج11، ص272، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مزید ایک دوسرے مقام پر فتاوٰی رضویہ میں ہے: "(مرتد) سے جو اولاد ہو گی قطعاً **ولد الزنا ہو گی اور ترکہ پدری سے مطلقاً محروم** کہ ولد الزنا کے لیے شرعاً کوئی باپ ہی نہیں۔"(فتاوٰی رضویہ، ج11، ص329، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

شوہر کی اجازت کے بغیر مہر میں اضافہ کر دیا تو کیا وہ دینا لازم ہے؟

ریفرنس نمبر:Lar10503 تاریخ:11-03-2021

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کے نکاح میں باہم رضامندی سے 5ہزار حق مہر طے ہوا تھا اور اسی مہر پر ایجاب و قبول ہوا، پھر بعد میں زید کی اجازت کے بغیر بلکہ اس کے علم میں لائے بغیر ہی لڑکی والوں نے مولوی صاحب سے فارم میں حق مہر 150000 لکھوالیا، زید کو بعد میں جب علم ہوا، تو اس نے یہ اضافی رقم دینے سے انکار کر دیا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ نکاح کے بعد حق مہر میں جو اضافہ کیا گیا ہے، کیا یہ بھی زید پر دینا لازم ہو گا جبکہ وہ اس پر راضی نہیں اور علم ہونے پر اس نے دینے سے انکار بھی کر دیا تھا؟

نوٹ: لڑکی والے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وقت عقد مہر میں 5000 ہی تھا، زید کی مرضی و اجازت کے بغیر یہ بعد میں ہم نے اضافہ کروایا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوهاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

دریافت کی گئی صورت میں زید پر صرف اتنا ہی مہر ادا کرنا لازم ہے جو دونوں کی رضامندی سے مقرر ہوا تھا یعنی 5000 اور لڑکی والوں کی طرف سے از خود جو اضافہ کیا گیا، وہ دینا زید پر لازم نہیں، کیونکہ لڑکی والوں نے اس کی اجازت و مرضی کے بغیر یہ اضافہ کیا، تو وہ اس میں فضولی ہوئے اور فضولی کا کیا ہوا اضافہ شوہر کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، راضی ہو جائے تو لازم ہو جاتا ہے، رد کر دے تو باطل ہو جاتا ہے اور صورتِ مسئولہ میں زید نے علم ہونے کے بعد یہ اضافی رقم دینے سے چونکہ انکار کر دیا تھا، اس لیے یہ باطل ہو گیا۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: "اور قرارداد کے بعد تمہارے آپس میں کچھ رضامندی ہو جائے تو اس میں گناہ نہیں۔"

(پارہ5، سورۃ النساء، آیت24)

تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے تحت ہے: "فیما یزاد علی المسمی أو یحط عنه بالتراضي" ترجمہ: باہم تراضی سے جو کچھ طے شدہ مہر میں زیادہ یا کم کیا جاتا ہے اس میں گناہ نہیں ہے۔

(تفسیر بیضاوی، جلد2، صفحہ69، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

بحر الرائق میں ہے: ''واستدلوا لجوازها بقوله تعالى: ﴿وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ﴾ [النساء: 24] فإنّه يتناول ما تراضوا على إلحاقه وإسقاطه'' ترجمہ: اور علماء نے اس (مقررہ مہر میں اضافہ کرنے) کے جائز ہونے کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کیا ہے ﴿وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ﴾ کہ یہ آیت باہم رضامندی سے مہر بڑھانے یا گھٹانے کو شامل ہے۔ (البحر الرائق، جلد3، صفحہ261، مطبوعہ کوئٹہ)

مقررہ مہر میں کمی کرنے کے لیے صرف بیوی کی رضامندی، جبکہ اضافہ کرنے کے لیے میاں بیوی دونوں کی رضامندی ضروری ہے، اس حوالے سے بدائع الصنائع میں ہے: ''وتجوز الزيادة فی المهر اذا تراضيابها والحط عنه اذا رضيت به'' ترجمہ: مقررہ مہر میں اضافہ کرنا، جائز ہے، جبکہ میاں بیوی دونوں اس پر راضی ہوں اور کمی بھی جائز جبکہ بیوی اس پر راضی ہو۔
(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، جلد3، صفحہ519، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ردالمحتار میں ہے: ''واشترط القبول لأن الزيادة في المهر لا تصح إلا به فتح عن التجنيس'' یعنی: مہر زیادہ کیا تو شوہر کا قبول کرنا شرط ہے کیونکہ مہر میں زیادتی شوہر کے قبول کرنے سے ہی درست ہوگی۔ فتح القدیر بحوالہ تجنیس۔
(ردالمحتار، جلد3، صفحہ113، دار الفکر، بیروت)

تنویر الابصار اور درمختار میں ہے: ''(هو من يتصرف في حق غيره بغير إذن شرعي، كل تصرف صدر منه) تمليكا كان كبيع وتزويج او اسقاط كطلاق واعتاق (وله مجيز) اى لهذه التصرف من يقدر على اجازته (حال وقوعه انعقد موقوفا ملتقطاً)'' یعنی: فضولی وہ شخص ہے جو شرعی اجازت کے بغیر دوسرے کے حق میں تصرف کرے۔ ہر وہ تصرف جو فضولی سے صادر ہو، خواہ وہ تملیک کے قبیل سے ہو جیسا کہ بیع، نکاح یا اسقاط کے قبیل سے جیسا کہ طلاق اور آزاد کرنا اور اس کے صدور کے وقت کوئی اس کو جائز کرنے پر قدرت رکھنے والا موجود ہو تو فضولی کا وہ تصرف موقوفاً منعقد ہوگا۔ (تنویر الابصار و الدر المختار مع ردالمحتار، جلد5، صفحہ107، 106، دار الفکر بیروت)

و اللہ اعلم عزوجل و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو صدیق محمد ابو بکر عطاری

26 رجب المرجب 1442ھ / 11 مارچ 2021ء

الجواب صحیح

مفتی ابو الحسن محمد ھاشم خان عطاری

عورت بخوشی حق مہر کی رقم معاف کردے، تو کیا اب اس رقم کا دوبارہ مطالبہ کرسکتی ہے؟

مجیب: ابو محمد مفتی علی اصغر عطاری مدنی

فتوی نمبر: Nor-12854

تاریخ اجراء: 12 ذیقعدۃ الحرام 1444ھ / 02 جون 2023ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی عورت اپنی خوشی سے صراحتاً اپنے حق مہر کی رقم شوہر کو معاف کردے اور شوہر انکار بھی نہ کرے، تو اب بعد میں کسی بھی وجہ سے وہ دوبارہ شوہر سے حق مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

عورت جب اپنی رضامندی وخوشی سے اپنا حق مہر معاف کردے تو وہ معاف ہوجائے گا بشرطیکہ شوہر نے انکار نہ کیا ہو، لہذا پوچھی گئی صورت میں وہ عورت شوہر سے دوبارہ حق مہر کی رقم کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔

یہ جواب سوال کے تناظر میں تھا کہ یہاں عورت نے حق مہر کی رقم معاف کی جو کہ دین کی صورت میں تھی۔ البتہ یہ مسئلہ ضرور ذہن نشین رہے کہ اگر حق مہر میں کوئی معین چیز مثلاً معین زمین یا کوئی اور معین سامان طے کیا، تو اب مہر معاف کرنے سے معاف نہیں ہوگا کہ عین چیز میں معافی درست نہیں، لہذا اس صورت میں عورت کو مطالبہ کا حق باقی رہے گا۔

مقررہ مہر بیوی کے بخوشی معاف کردینے سے معاف ہوجانے کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ ؕ" ترجمہ کنز الایمان: "تو جن عورتوں کو نکاح میں لانا چاہو ان کے بندھے ہوئے مہر انہیں دو اور قرار داد (طے شدہ) کے بعد اگر تمہارے آپس میں کچھ رضامندی ہوجائے تو اُس میں گناہ نہیں۔" (القرآن الکریم، پارہ 05، سورۃ النساء، آیت نمبر 24)

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: ”خواہ عورت مہر مقرّر شدہ سے کم کردے یا بالکل بخش دے یا مرد مقدارِ مہر کی اور زیادہ کردے۔“ (تفسیر خزائن العرفان، ص 161، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

تنویر الابصار مع در مختار میں ہے: ”(وصح حطھا) لکلہ او بعضہ (عنہ) قبل او لا“ یعنی عورت کا اپنا سارا مہر یا مہر کا کچھ حصہ معاف کر دینا درست ہے، شوہر قبول کرے یا نہ کرے۔

مذکورہ بالا عبارت کے تحت رد المحتار میں ہے: ”(وصح حطھا)۔۔۔۔ولا بد من رضاھا۔ ففي ھبة الخلاصة خوفھا بضرب حتی وھبت مھرھا لم یصح لو قادرا علی الضرب۔۔۔(لکلہ او بعضہ) قیدہ فی البدائع بما اذا کان المھر دینا ای دراھم او دنانیر لان الحط فی الاعیان لا یصح۔ بحر“ یعنی حق مہر معاف ہونے میں عورت کا راضی ہونا ضروری ہے، خلاصہ میں ہے کہ شوہر نے عورت کو مار پیٹ کرنے کی دھمکی کے ذریعے خوف دلایا اور عورت نے مہر معاف کر دیا تو مہر معاف نہ ہوا جبکہ شوہر مار پیٹ کرنے پر قادر ہو۔۔۔۔کل یا بعض مہر، اس مسئلے کو بدائع میں درہم و دینار سے مقید کیا ہے کیونکہ عین چیز میں معافی درست نہیں، بحر۔ (ردالمحتار مع الدرالمختار، ج 3، ص 113 مطبوعہ بیروت، ملتقطاً)

بہارِ شریعت میں ہے: ”عورت کل مہر یا جز معاف کرے تو معاف ہو جائے گا بشر طیکہ شوہر نے انکار نہ کر دیا ہو۔“ (بہارِ شریعت، ج 02، ص 68، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

فتاوٰی امجدیہ میں ہے: ”جب (عورت نے مہر) برضا و رغبت معاف کر دیا تو معاف ہو گیا، اور اب وہ مستحق نہ رہی۔“ (فتاوی امجدیہ، ج 02، ص 143، مکتبہ رضویہ، کراچی)

فتاوٰی فقیہ ملت میں ایک سوال کے جواب میں مذکور ہے: ”(پوچھی گئی صورت میں) اگر واقعی زید نے اپنی بیوی سے مقرر شدہ مہر بلا اکراہِ شرعی معاف کروالیا تو معاف ہو گیا۔ اب لڑکی کے والدین کا زید سے مہر کا مطالبہ کرنا سراسر زیادتی ہے۔“ (فتاوی فقیہ ملت، ج 01، ص 419، شبیر برادرز)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

بارات کے دو دن بعد ولیمہ کرنے سے ولیمہ کی سنت ادا ہو گی یا نہیں؟

مجیب: مولانا محمد کفیل رضا عطاری مدنی

فتوی نمبر: Web-1412

تاریخ اجراء: 13رجب المرجب1445ھ/25جنوری2024ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

22مئی کو بارات ہے آتے آتے دن بدل جائے گا اور 25 کو ولیمہ ہے تو سنت ادا ہو گی؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

ولیمہ کرنا سنت مستحبہ ہے، اس کا بارات سے ڈائریکٹ تعلق نہیں ہے کہ بارات کب شروع ہوئی کب ختم ہوئی، بلکہ اس کا تعلق شرعاً شبِ زفاف سے ہے کہ شبِ زفاف (جس رات میاں بیوی والے معاملات ہوں اس) کی صبح پہلے دن یا اس کے بعد دوسرے دن دعوت کا اہتمام ہو تو اس سے ولیمہ کی سنت ادا ہو جائے گی، ان دو دنوں کے بعد جو دعوت کی جائے وہ ولیمہ نہیں، لہٰذا اسی اعتبار سے ولیمہ کی تاریخ رکھ لی جائے، اگر ایسا نہ ہو سکے تو دعوت ولیمہ کے لیے یہ ضروری نہیں کہ سب کو بلا کر بڑے پیمانے پر ہال وغیرہ میں ہو تب ہی ولیمہ ہو گا بلکہ اگر بڑے پیمانے پر بعد میں کبھی بھی دعوت کی جائے لیکن شبِ زفاف کے بعد دو دن کے اندر اندر مختصر سی چند دوست واحباب کی بھی دعوت کر لی جائے تو سنت ولیمہ کے لیے کافی ہے۔

اس متعلق تفصیلی معلومات کے لیے نیچے دیے گئے لنک سے تفصیلی فتوے کا مطالعہ فرمالیں۔

https://daruliftaahlesunnat.net/ur/walime-ke-bare-me-chand-ahkam

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

اظہار محبت کے حوالے سے حدیث پاک کی شرح

مجیب: مولانا فرحان احمد عطاری مدنی

فتوی نمبر: Web-1334

تاریخ اجراء: 05شعبان المعظم1445ھ/16فروری2024ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

میں نے سنا ہے کہ مشکوۃ شریف میں یہ حدیث موجود ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی سے محبت کرو تو اسے بتاؤ کہ تم اس سے محبت کرتے ہو تاکہ اس کے دل میں بھی تمہارے لئے محبت پیدا ہو۔ اس کی تشریح ووضاحت فرمادیجئے، کیونکہ آج کل جیسا ماحول ہے کہ بے حیا نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے ناجائز محبت کرتے ہیں وہ تو اپنی ناجائز دوستی پر مزید اصرار کریں گے کہ محبت کے اظہار کرنے کا حکم تو حدیث پاک میں موجود ہے۔ پھر گناہ اور بے حیائی مزید بڑھے گی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

احادیث طیبہ میں محبت کی خبر دینے کے متعلق یہ استحبابی حکم ایسی محبت کے بارے میں ہے جو محض اللہ عزوجل کی رضا حاصل کرنے کے لیے اخلاص کے ساتھ کی جائے، ایسی محبت بندے کو اللہ عزوجل کے مزید قریب کردیتی ہے، اجنبی نامحرم سے کی جانے والی ناجائز محبت ہرگز مراد نہیں بلکہ شریعت مطہرہ تو ناجائز شہوات کی تسکین کی خاطر ملنے اور دوستانہ تعلق رکھنے کی سخت ممانعت کرتی ہے ایسی ناجائز محبت نیکیوں کی طرف لے جانے کے بجائے انسان کو بے پردگی، بدکاری، زناکری وغیرہ جیسے بڑے گناہوں میں مبتلا کردیتی ہے اور کئی معاشرتی خرابیوں بلکہ قتل وغارت گری تک کا سبب بنتی ہے، گناہوں بھرے تعلقات رکھنے والوں کا مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث پاک سے استدلال کرنا ہرگز درست نہیں۔

مشکوٰۃ المصابیح میں ہے: ”عن المقدام بن معدیکرب عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قال اذا احب الرجل اخاہ فلیخبرہ انہ احبہ“ یعنی: حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالی عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے بھائی سے محبت کرے تو

اسے خبر دے دے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔(مشکوۃ المصابیح مع مرقاۃ المفاتیح، حدیث 5016، جلد 9، صفحہ 221، مطبوعہ: بیروت)

مشکوۃ میں ہی ایک دوسری حدیث شریف میں ہے: "مر رجل بالنبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وعندہ ناس، فقال رجل ممن عندہ: انی لاحب ھذا فی اللہ، فقال النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم: اعلمتہ؟ قال: لا، قال قم الیہ فاعلمہ" یعنی: ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس والوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کیا تم نے اسے بتادیا ہے؟ عرض کیا: نہیں، فرمایا: اس کے پاس جاؤ، اسے بتادو۔(مشکوۃ المصابیح مع مرقاۃ المفاتیح، حدیث 5017، جلد 9، صفحہ 222، مطبوعہ: بیروت)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ مراٰۃ المناجیح میں فرماتے ہیں: "محبت کی خبر دینے سے محبت پیدا ہوتی ہے، جب کہ اخلاص سے ہو، اور محض اللہ کے لیے ہو، دنیاوی لالچ سے نہ ہو۔۔۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم وجوبی نہیں، استحبابی ہے، کہ محبت کی خبر دیناواجب نہیں ہو سکتا ہے۔۔۔ غالباً اس شخص نے اس دوسرے شخص کا تقویٰ، عبادات، اسلام پر پختگی وغیرہ دیکھ کر اس سے محبت کی تھی، لہٰذا یہ محبت فی اللہ تھی۔"(مرآۃ المناجیح، جلد 6، صفحہ 596-597، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاھور)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

جنت میں جنتی عورتیں زیادہ خوبصورت ہونگی یا پھر جنتی حور؟

مجیب: مولانا محمد ابوبکر عطاری مدنی

فتوی نمبر: WAT-2025

تاریخ اجراء: 09 ربیع الاول 1445 ھ / 26 ستمبر 2023ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا جنت میں جنتی عورتیں حوروں سے زیادہ خوبصورت ہوں گی؟

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

اس میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ حور زیادہ خوبصورت ہو گی جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ دنیاوی عورتیں جو جنت میں جائیں گی وہ حوروں سے زیادہ خوبصورت ہوں گی کہ ان پر عبادات کا حسن بھی ہو گا، اس دوسرے قول کو ہی زیادہ علمانے اختیار کیا ہے اور حدیث سے بھی اس کی تائید نکلتی ہے۔ چنانچہ مجمع الزوائد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنھا سے مروی ایک طویل حدیث مبارکہ میں ہے " قلت: یارسول اللہ، أنساء الدنیا أفضل أم الحور العین؟ قال: "نساء الدنیا أفضل من الحور العین کفضل الظهارة علی البطانة". قلت: یارسول اللہ، وبم ذاك؟ قال: "بصلاتهن، وصیامهن لله - عز وجل - ألبس الله - عز وجل - وجوههن النور، وأجسادهن الحریر، بیض الألوان، خضر الثیاب، صفر الحلي، مجامرهن الدر، وأمشاطهن الذهب "ترجمہ: میں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دنیا کی عورتیں افضل ہیں یا بڑی آنکھوں والی جنتی حوریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دنیا کی عورتیں بڑی آنکھوں والی جنتی حوروں سے افضل ہیں، جیسے ظاہر باطن سے افضل ہے۔ میں نے عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کس وجہ سے؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کے نماز، روزے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی عبادت کرنے کی وجہ سے، اللہ عَزَّوَجَلَّ ان کے چہروں کو نور عطا کرے گا اور ان کے جسموں پر ریشم کے لباس پہنائے گا، ان کا رنگ سفید، کپڑے سبز اور زیور زرد رنگ کا ہو گا، ان کے دھونی دان (انگیٹھیاں) موتیوں کی اور کنگھیاں سونے کی ہوں گی۔ (مجمع الزوائد، حدیث نمبر 18755، جلد 10، صفحہ 417، مکتبۃ القدسی، قاہرہ)

تفسیر قرطبی میں ہے"واختلف أيهما أكثر حسنا وأبهر جمالا الحور أو الآدميات؟ فقيل: الحور لما ذكر من وصفهن في القرآن والسنة، ولقوله عليه الصلاة والسلام في دعائه على الميت في الجنازة: (وأبدله زوجا خيرا من زوجه). وقيل: الآدميات أفضل من الحور العين بسبعين ألف ضعف، وروي مرفوعا. وذكر ابن المبارك: وأخبرنا رشدين عن ابن أنعم «» عن حيان ابن أبي جبلة، قال: إن نساء الدنيا من دخل منهن الجنة فضلن على الحور العين بما عملن في الدنيا"ترجمہ: اس میں اختلاف ہے کہ دونوں میں سے کون زیادہ خوبصورت ہے حور یا دنیاوی عورت؟ ایک قول کے مطابق حور زیادہ خوبصورت ہو گی اس وجہ سے کہ اس کے اوصاف قرآن و سنت میں مذکور ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جنازہ میں میت پر دعا فرماتے ہوئے اس فرمان کی وجہ سے کہ "اس کی زوجہ کو اس سے بہتر کے ساتھ بدل دے"۔ اور ایک قول کے مطابق دنیاوی عورتیں حوروں سے ستر گنا افضل ہیں اور یہ مرفوعا روایت کیا گیا ہے۔ ابن مبارک نے ذکر کیا کہ ہمیں خبر دی رشدین نے وہ ابن انعم اور وہ حیان ابن ابی جبلہ سے روایت کرتے ہیں کہ دنیاوی عورتیں جو جنت میں داخل ہوں گی وہ حور عین پر فضیلت والی ہوں گی، اس سبب سے جو انہوں نے دنیا میں عمل کیے۔(تفسیر قرطبی، جلد13، صفحہ187، دار الکتب المصریۃ، قاہرہ)

علامہ سفیری (المتوفی 956ھ) شرح البخاری للسفیری میں فرماتے ہیں:" نساء الدنيا وهن الآدميات في الجنة أفضل وأحسن من الحور العين "ترجمہ: دنیاوی عورتیں جنت میں حور عین سے افضل اور زیادہ خوبصورت ہوں گی۔ (شرح البخاری للسفیری، جلد2، صفحہ33، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مرأۃ المناجیح میں ہے:" جنتی عورتوں کا حسن حوروں سے زیادہ ہو گا کہ ان پر عبادات کا حسن بھی ہو گا۔"(مرآۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، جلد7، صفحہ477، نعیمی کتب خانہ، لاہور)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

شوہر کا مہر معاف کروانا

مجیب: مولانا ذاکر حسین عطاری مدنی

فتوی نمبر: WAT-1979

تاریخ اجراء: 25صفر المظفر1445ھ/12ستمبر2023ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

والدین کی طرف سے مہر کی رقم جو مقرر ہوئی، نکاح کے بعد لڑکا لڑکی باہمی رضامندی سے وہ رقم کم کرسکتے ہیں؟ والدین نے بہت زیادہ مہر مقرر کیا ہو، جس کی وجہ سے شوہر بیوی کے حقوق پورے نہ کرپارہا ہو، اور میاں بیوی دونوں چاہتے ہوں کہ مہر کی رقم کو کم کردیا جائے، تاکہ جلدی مہر ادا ہو جائے، تو کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟ نیز اگر عورت چاہے تو مہر کی رقم شوہر کو معاف کرسکتی ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

مہر عورت کا حق ہے اور جتنا مہر نکاح میں مقرر ہوا، شوہر پر اس کی ادائیگی لازم ہے اور مہر زیاد مقرر ہونے کی وجہ سے عورت کو پریشان کرنا تاکہ وہ مہر معاف کرے یا کم کرے ہرگز درست نہیں۔ البتہ اگر عورت عاقلہ بالغہ ہے اور اپنی خوشی سے مہر معاف کرے تو وہ اس کا حق رکھتی ہے۔ لیکن شوہر کا معاف کروانا کچھ مناسب نہیں اور اس پر جبر کرنا اور مختلف حیلے بھانوں سے اسے تکلیف پہنچانا تو ہرگز روا (جائز) نہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا﴾ ترجمہ کنزالعرفان: ” اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو پھر اگر وہ خوش دلی سے مہر میں سے تمہیں کچھ دے دیں تو اسے پاکیزہ، خوشگوار (سمجھ کر) کھاؤ۔“ (القرآن الکریم، پارہ4، سورۃ النساء، آیت:04)

اس آیتِ مبارکہ کے تحت صدر الافاضل مولانا مفتی نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ” عورتوں کو اختیار ہے کہ وہ اپنے شوہروں کو مَہر کا کوئی جز ہبہ کریں یا کل مہر مگر مہر بخشوانے کے لیے انہیں مجبور کرنا، ان کے ساتھ بد خلقی کرنا نہ چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿طِبْنَ لَكُمْ﴾ فرمایا جس کے معنیٰ ہیں: دل کی خوشی سے معاف کرنا ۔“ (تفسیر خزائن العرفان، سورۃ النساء، آیت 04، ص153، مکتبۃ المدینہ)

مہر معاف ہونے کے لیے عورت کی رضامندی ضروری ہے، جبری مہر معاف کرانا درست نہیں، جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے: "وان حطت عن مھرھا صحّ الحط کذا فی الھدایۃ ولا بد فی صحّۃ حطّھا من الرضا حتی لو کانت مُکرَھۃً لم یصحّ" یعنی عورت نے اپنا حق مہر معاف کر دیا، تو یہ ٹھیک ہے، بشرطیکہ اس کی مکمل رضامندی ہو، یہاں تک کہ اگر مجبور ہو کر معاف کیا، تو معاف نہیں ہو گا۔ (الفتاوی الھندیۃ، ج1، ص313، مطبوعہ: پشاور)

کیا بیوی شوہر کو نام لے کر پکار سکتی ہے؟

مجیب: ابو محمد مفتی علی اصغر عطاری مدنی

فتوی نمبر: Nor-12270

تاریخ اجراء: 30ذوالقعدۃ الحرام 1443ھ/30جون2022ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیوی اگر شوہر کو نام لے کر پکارے، تو شرعاً اس میں کوئی حرج تو نہیں؟؟ رہنمائی فرمادیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق بیوی کا شوہر کو نام لے کر پکارنا، مکروہ اور خلافِ ادب ہے۔ لہذا جب کبھی شوہر کو مخاطب کرنے کی نوبت آئے تو عورت کو چاہیے کہ مہذب انداز میں اور ادب کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے احسن انداز میں شوہر کو مخاطب کرے۔

تنویر الابصار مع الدر المختار میں ہے: " (ويكره أن يدعو الرجل أباه **وأن تدعو المرأة زوجها باسمه**) اھ بلفظه۔ "یعنی مرد کا اپنے باپ کو، یونہی عورت کا اپنے شوہر کو اس کا نام لے کر پکارنا، مکروہ ہے۔

مذکورہ بالا عبارت کے تحت رد المحتار میں ہے: " بل لا بد من لفظ يفيد التعظيم كيا سيدي ونحوه لمزيد حقهما على الولد والزوجة، وليس هذا من التزكية، لأنها راجعة إلى المدعو بأن يصف نفسه بما يفيدها لا إلى الداعي المطلوب منه التأدب مع من هو فوقه۔ " ترجمہ: " بلکہ ضروری ہے کہ ایسے کسی لفظ سے مخاطب کیا جائے کہ جو تعظیم کا فائدہ دے جیسا کہ یاسیدی اور اسی کی مثل دیگر الفاظ، تاکہ بیٹے اور زوجہ پر باپ اور شوہر کا جو حق ہے وہ مزید واضح ہو سکے۔ البتہ تعظیم کے ان الفاظ سے پکارنے میں تزکیہ (اپنی تعریف کا پہلو) نہیں ہے، کیونکہ تزکیہ تو اس وقت پایا جائے گا کہ جب یہ مدعو (ہماری مثال میں شوہر اور باپ مدعو ہیں یعنی ان کو بلانے کی بات ہو رہی ہے) کی طرف لوٹے اس طرح کہ وہ مدعو اپنے آپ کو ان الفاظ سے متصف کرے کہ جس سے تزکیہ کا فائدہ

حاصل ہو نہ کہ یہ داعی (بلانے والے) کی طرف لوٹے کہ جس سے مطلوب ہی اسے ادب سکھانا ہے اس کا ادب کہ جو اس سے بڑھ کر ہے۔" (ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، ج09، ص690، مطبوعہ کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے: "باپ کو اس کا نام لے کر پکارنا مکروہ ہے، کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ اسی طرح **عورت کو یہ مکروہ ہے، شوہر کو نام لے کر پکارے۔** بعض جاہلوں میں یہ مشہور ہے کہ عورت اگر شوہر کا نام لے لے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے، یہ غلط ہے۔ شاید اسے اس لئے گڑھا ہو کہ اس ڈر سے کہ طلاق ہو جائے گی شوہر کا نام نہ لے گی۔" (بہارِ شریعت، ج03، ص658-657، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کیا عورت کو ٹیڑھی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے؟

مجیب: فرحان احمد عطاری مدنی

فتوی نمبر: Web-531

تاریخ اجراء:08ربیع الاول1444ھ/05اکتوبر2022ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

میرا سوال یہ ہے کہ کہا جاتا ہے عورت کو ٹیڑھی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے، کیا یہ بات درست ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ عورت کو ٹیڑھی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔ شارحین حدیث نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ یہاں عورت سے مراد حضرت حواء رضی اللہ عنہا ہیں جن کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔

مشکوۃ المصابیح میں صحیح بخاری و مسلم سے منقول ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”استوصوا بالنساء خیرا فانھن خلقن من ضلع وان اعوج شیئ فی الضلع اعلاہ فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء“ یعنی بیوی سے متعلق بھلائی کی وصیت قبول کرو، کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور یقیناً پسلی کا ٹیڑھا حصہ اس کا اوپر کا ہے، تو اگر اسے سیدھا کرنے لگو، تو توڑ دو گے اور اگر چھوڑ دو، تو ٹیڑھا رہے گا، لٰہذا عورتوں کے متعلق وصیت قبول کرو۔ (مشکوۃ المصابیح مع المرقاۃ، جلد6، صفحہ356، مطبوعہ: بیروت)

اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں اور علامہ عبد الرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ فیض القدیر میں فرماتے ہیں: واللفظ للمناوی: ”قیل: اراد بہ ان اول النساء خلقت من ضلع فان حواء خرجت من ضلع آدم“ یعنی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ پہلی عورت پسلی سے پیدا کی گئی، کیونکہ حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ (فیض القدیر، جلد1، صفحہ503، مطبوعہ: بیروت)

اسی روایت کی شرح بیان کرتے ہوئے مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ مرآۃ المناجیح میں فرماتے ہیں: ''**حضرت حوا کی پیدائش آدم علیہ السلام کی پسلی کے اوپری حصہ سے ہوئی جو ٹیڑھا ہے اور تمام عورتیں انہی حوا کی اولاد سے ہیں فطری طور پر سب میں قدر کجی سخت مزاجی ہے اور رہے گی۔** حضرت حوّا کی پیدائش کی تفصیل ہماری تفسیر نعیمی کلاں **پارہ اول میں ملاحظہ کیجئے۔**'' (مرآۃ المناجیح، صفحہ 87، نعیمی کتب خان، گجرات)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

ولیمے کے بارے میں چند احکام

مجیب: ابو محمد محمد سرفراز اختر عطاری

مصدق: مفتی فضیل رضا عطاری

فتوی نمبر: Nor-12244

تاریخ اجراء: 21 ذوالقعدۃ الحرام 1443 ھ / 21 جون 2022ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ولیمہ کی حیثیت کیا ہے واجب یا سنت ؟اور یہ کب کرنا چاہیے ؟ اور یہ کہ بعد رخصتی اگر ابھی ہمبستری نہ ہوئی ہو، تو ولیمہ ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

ولیمہ کرنا سنت مستحبہ ہے، احادیث کریمہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا۔ چنانچہ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: "ان عبد الرحمن بن عوف جاء الی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وبہ اثر صفرۃ فسالہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فاخبرہ انہ تزوج امراۃ من الانصار قال کم سقت الیھا قال زنۃ نواۃ من ذھب قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اولم ولو بشاۃ" حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اس حال میں کہ ان پر زعفران کا اثر تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان سے (وجہ)پوچھی، تو انہوں نے خبر دی کہ انصار میں سے ایک عورت سے انہوں نے شادی کر لی ہے، تو آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے پوچھا: اسے کتنا مہر دیا؟ عرض کیا: گٹھلی برابر (چھے مثقال) سونا، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: ولیمہ کرا گرچہ ایک بکری کے ساتھ۔ (صحیح البخاری، ج2، ص280، رقم الحدیث 5153، باب الولیمۃ ولو بشاۃ، مطبوعہ لاھور)

ولیمہ کے سنت مستحبہ ہونے کے بارے میں سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں: "ولیمہ بعد نکاح سنت ہے، اس میں صیغہ امر بھی وارد ہے، عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا: "اولم ولو بشاۃ" ولیمہ کر اگرچہ ایک ہی دنبہ یا اگرچہ ایک دنبہ۔ دونوں معنی محتمل ہیں اور اول اظہر، تارکان سنت

ہیں، مگر یہ سنن مستحبہ سے ہے، تارک گناہ گار نہ ہوگا اگر اسے حق جانے۔" (فتاوی رضویہ، ج11، ص278، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

مذکورہ بالا حدیث پاک کے تحت شارحین حدیث نے ولیمہ کب سنت ہے، اس بارے میں کئی اقوال ذکر کیے ہیں: (1) دخول کے بعد۔ (2) دخول سے پہلے بھی کر سکتے ہیں اور دخول کے بعد بھی۔ (3) نکاح کے وقت۔ (4) نکاح کے وقت بھی کر سکتے ہیں اور دخول کے بعد بھی۔

عمدۃ القاری میں ہے: "قولہ: (اولم ولو بشاۃ) وقد اختلف السلف فی وقتھا: ھل ھو عند العقد او عقیبہ؟ او عند الدخول او عقیبہ؟ او موسع من ابتداء العقد الی انتھاء الدخول؟ علی اقوال۔ قال النووی: اختلفوا، فقال عیاض: ان الاصح عند المالکیۃ استحبابہ بعد الدخول، وعن جماعۃ منھم: انھا عند العقد، عند ابن حبیب: عند العقد وبعد الدخول، وقال فی موضع آخر: یجوز قبل الدخول وبعدہ، وقال الماوردی: عند الدخول، وحدیث انس: فاصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عروسا بزینب فدعی القوم، صریح انھا بعد الدخول، واستحب بعض المالکیۃ ان تکون عند البناء ویقع الدخول عقیبھا، وعلیہ عمل الناس" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول: (ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری کے ساتھ) اور تحقیق سلف نے ولیمہ کے وقت کے بارے میں اختلاف کیا کہ: کیا وہ عقد کے وقت ہے یا اس کے بعد؟ یا دخول کے وقت ہے یا اس کے بعد؟ یا عقد کی ابتداء سے دخول کی انتہاء تک گنجائش ہے؟ یہ کئی اقوال ہیں۔ امام نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: علماء نے (ولیمہ کے وقت کے بارے میں اختلاف کیا)، پس قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے فرمایا: بے شک مالکیہ کے نزدیک زیادہ صحیح، ولیمہ کا دخول کے بعد مستحب ہونا ہے، اور انہی کی ایک جماعت سے (مروی) ہے: کہ وہ عقد کے وقت ہے، ابن حبیب کے نزدیک: عقد کے وقت اور دخول کے بعد (اس کا وقت ہے)، اور ایک دوسری جگہ فرمایا: دخول سے پہلے اور بعد ولیمہ ہو سکتا ہے، اور ماوردی نے فرمایا: دخول کے وقت اور حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث: "رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا سے شادی کے بعد صبح کی تو قوم کو (ولیمہ کی) دعوت دی۔" اس بات میں صریح ہے کہ ولیمہ دخول کے بعد تھا، اور بعض مالکیہ نے مستحب قرار دیا کہ ولیمہ دخول کے وقت ہو اور دخول ولیمہ کے بعد واقع ہو اور اسی پر لوگوں کا عمل ہے۔ (عمدۃ القاری، ج20، ص204، مطبوعہ کوئٹہ)

ارشادی الساری میں ہے:" واختلف فی وقت الولیمة فقال ابن الحاجب من المالکیة انه بعد البناء قال الشیخ خلیل فی التوضیح: ھو ظاھر المذھب واستحبھا بعض الشیوخ قبل البناء۔ قال اللخمی و واسع قبله وبعده وقال ابن یونس: یستحب الاطعام عند عقد النکاح وعند البناء وصرح الماوردی من الشافعیة بانھا عند الدخول وحدیث الباب صریح فی انھا بعده لقوله فیه اصبح عروساً بزینب فدعا القوم، ملخصا" اور ولیمہ کے وقت کے بارے میں اختلاف ہے، پس مالکیہ میں سے ابن حاجب نے فرمایا: کہ ولیمہ دخول کے بعد (سنت) ہے، شیخ خلیل نے توضیح میں فرمایا: یہی ظاہر مذہب ہے اور بعض شیوخ نے دخول سے پہلے ولیمہ کو مستحب قرار دیا ہے۔ لخمی نے فرمایا: اور دخول سے پہلے اور بعد دونوں صورتوں میں گنجائش ہے اور ابن یونس نے فرمایا: نکاح کے وقت اور دخول کے وقت کھانا کھلانا مستحب ہے اور شوافع میں سے ماوردی نے صراحت کی کہ ولیمہ دخول کے بعد (سنت) ہے اور باب کی حدیث اس بات میں صریح ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا) ولیمہ دخول کے بعد تھا، راوی کے حدیث میں ان الفاظ کی وجہ سے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کے بعد صبح کی تو قوم کو (ولیمہ کی) دعوت دی۔ (ارشادالساری، ج 11، ص 445، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شارحین حدیث کے ذکر کردہ مذکورہ بالا چار اقوال میں سے پہلا قول حدیث و فقہ دونوں کے اعتبار سے راجح ہے۔ اولاً اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ولیمہ بعد دخول ہوا، کئی معتمد شارحینِ حدیث نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق یہی بیان کیا کہ آپ کا ولیمہ بعدِ دخول ہوا۔

عمدۃ القاری میں ہے:" عن بیان قال: سمعت انساً یقول: بنی النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم بامراۃ فارسلنی فدعوت رجالاً الی الطعام" حضرت بیان علیہ الرحمۃ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک عورت سے دخول فرمایا، تو مجھے بھیجا پس میں نے لوگوں کو (ولیمہ کے) کھانے کی طرف بلایا۔

اس کے تحت علامہ بدر الدین عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:" قوله: (بنی النبی صلی اللہ علیه وسلم) من البناء وھو الدخول بزوجته، وقد ذکر غیر مرۃ۔ قوله: (بامراۃ) ھی زینب بنت جحش" حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول: (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دخول فرمایا) یہ بناء سے نکلا ہے اور وہ (آدمی کے) اپنی بیوی کے ساتھ دخول کو کہتے ہیں اور یہ بات کئی مرتبہ مذکور ہوئی۔ ان کا قول: (ایک عورت کے ساتھ) وہ حضرت

زینب بنت جحش رضی اللہ تعالی عنہا تھیں۔(عمدۃ القاری، ج20، ص219، مطبوعہ کوئٹہ)

عمدۃ القاری میں ہے: "وحدیث انس: فاصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عروسا بزینب فدعی القوم" صریح انہا بعد الدخول "اور حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث: "رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا سے شادی کے بعد صبح کی تو قوم کو (ولیمہ کی) دعوت دی" اس بات میں صریح ہے کہ ولیمہ دخول کے بعد تھا۔(عمدۃ القاری، ج20، ص204، مطبوعہ کوئٹہ)

فتح الباری باب الولیمۃ میں عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ والی روایت کے تحت ہے: "قولہ: (وقال عبد الرحمن بن عوف قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اولم ولو بشاۃ) قال: والمنقول من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا بعد الدخول کانہ یشیر الی قصۃ زینب بنت جحش، حدیث انس فی ھذا الباب صریح فی انہا بعد الدخول لقولہ فیہ (اصبح عروسا بزینب فدعا القوم)۔ملخصا" ان کا قول: (اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: مجھے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: ولیمہ کرا اگرچہ ایک بکری کے ساتھ) فرمایا: اور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے فعل سے ولیمہ کا دخول کے بعد ہونا منقول ہے گویا کہ وہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالی عنہا کے واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، اور حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث اس بات میں صریح ہے کہ ولیمہ دخول کے بعد تھا، ان کے حدیث میں ان الفاظ کی وجہ سے (رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا سے شادی کے بعد صبح کی تو قوم کو (ولیمہ کی) دعوت دی۔(فتح الباری، ج9، ص287، مطبوعہ کراچی)

ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں ہے: "وحدیث الباب صریح فی انہا بعدہ لقولہ فیہ اصبح عروسا بزینب فدعا القوم" اور باب کی حدیث اس بات میں صریح ہے کہ ولیمہ دخول کے بعد تھا، ان کے حدیث میں ان الفاظ کی وجہ سے: رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا سے شادی کے بعد صبح کی تو قوم کو (ولیمہ کی) دعوت دی۔(ارشاد الساری، ج11، ص445، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شرح مسلم للنووی میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نکاح والی روایت کے تحت علامہ نووی شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "**فیہ دلیل لولیمۃ العرس وانہا بعد الدخول۔ملخصا**" اس حدیث میں شادی کے ولیمہ کی دلیل ہے اور یہ کہ وہ دخول کے بعد تھا۔(المنہاج علی المسلم، ج1، ص459، مطبوعہ کراچی)

مشکوۃ المصابیح میں ہے:" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم طعام اول یوم حق وطعام یوم الثانی سنۃ وطعام یوم الثالث سمعۃ ومن سمع سمع اللہ بہ" **رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے دن کا کھانا حق ہے، دوسرے دن کا سنت ہے اور تیسرے دن کا کھانا نام ونمود ہے، جو سنانا چاہے گا، اللہ اسے سنا دے گا۔**
(مشکوۃ المصابیح، ج2، ص591، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس حدیث پاک کے تحت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "اس جملے کے کئی معنی ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ پہلے دن سے مراد شادی وبارات کا دن ہے اور حق سے مراد مستحق ہے یعنی بارات والے دن کا کھانا مہمانوں کا حق ہے، جو شرکت بارات کے لیے آئے ہیں **اور دوسرے دن یعنی زفاف کے بعد ولیمہ کا کھانا سنت ہے مؤکدہ یا مستحبہ اس صورت میں حدیث بالکل واضح ہے،** دوسرے یہ کہ پہلے دن سے مراد زفاف کے بعد کا دن ہے اور دوسرے دن سے مراد اس دن کے بعد کا دن یعنی زفاف سے سویرے دعوت ولیمہ حق درست ہے اور دوسرے دن کا کھانا بھی سنت ہے یعنی بدعت یا خلاف سنت نہیں تیسرے یہ کہ زفاف کے سویرے کھانا دینا فرض یا واجب ہے جس میں بلا وجہ شرکت نہ کرنا گناہ دوسرے دن کا بھی کھانا سنت ہے۔ یہ تیسرے معنی ان کے مذہب پر ہیں جو ولیمہ کو واجب کہتے ہیں۔ **فقیر کے نزدیک پہلے معنی زیادہ قوی ہیں،** چوتھے یہ کہ زفاف کے سویرے ولیمہ کا کھانا دینا برحق ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے اس دن نہ دے سکے، تو دوسرے دن دے دینا بھی سنت ولیمہ میں شامل ہے یعنی مسلسل تین دن تک کھانا دینا محض نام نمود ہے، ثواب نہیں یا زفاف کے تیسرے دن کھانا دینا سنت نہیں صرف نام ونمود ہے۔" (مراۃ المناجیح، ج5، ص101، مطبوعہ لاھور)

اشکال: امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے تو نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ولیمہ قبل دخول ہونا بیان کیا ہے۔ چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے:" وقال البیھقی: کان دخولہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ھذہ الولیمہ" اور امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا دخول اس ولیمہ کے بعد تھا۔ (عمدۃ القاری، ج20، ص214، مطبوعہ کوئٹہ)

جواب: امام بیہقی کا یہ موقف حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالی عنہا کے ولیمہ کے بارے میں ہے۔ چنانچہ عمدۃ القاری کے باب الھدیۃ للعروس کے تحت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالی عنہا سے نکاح والی روایت کو ذکر فرمایا:" عن ابی عثمان عن انس بن مالک قال: مر بنا فی مسجد بنی رفاعۃ فسمعتہ یقول: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اذا مر بجنبات ام سلیم دخل علیھا فسلم علیھا، ثم قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عروسا بزینب فقالت لی ام سلیم۔۔۔ الخ" حضرت ابو عثمان سے روایت ہے، وہ حضرت انس

بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ مسجد بنی رفاعہ میں ہمارے پاس سے گزرے، تو میں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا: نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جب ام سلیم کے صحن سے گزرے، تو انہیں سلام کیا، پھر حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا سے شادی کی، تو مجھے ام سلیم نے کہا۔۔۔ الخ

اور اسی روایت کے تحت شرح میں علامہ عینی نے فرمایا:"قولہ: (عروسا بزینب) وقد مر غیر مرة ان العروس یشمل الذکر والانثی، وزینب بنت جحش الاسدیة ام المؤمنین، تزوجها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنة ثلاث۔۔۔ الخ۔ وفیہ فوائد۔۔۔۔۔: الثالثة: اتخاذ الولیمة فی العرس قال ابن العربی بعد الدخول، وقال البیھقی: کان دخولہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ھذہ الولیمة، ملخصا" حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کا قول: (حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا سے شادی کی) اور تحقیق کئی مرتبہ گزرا کہ عروس مرد و عورت کو شامل ہے اور حضرت زینب بنت جحش اسدیہ مومنین کی ماں، نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان سے تیسرے سال شادی کی۔۔۔ الخ۔ اور اس میں کئی فوائد ہیں۔۔۔ تیسرا فائدہ: شادی میں ولیمہ کرنا، ابن عربی نے کہا: ولیمہ دخول کے بعد ہو گا، اور امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا دخول اس ولیمہ کے بعد تھا۔ (عمدۃ القاری، ج20، ص212 تا 214، مطبوعہ کوئٹہ)

اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالی عنہا کے ولیمہ کے بارے میں اوپر جلیل القدر شارحینِ حدیث علامہ عینی، علامہ ابن حجر عسقلانی اور صاحب ارشاد الساری کے حوالے سے گزرا کہ ان کا ولیمہ بعد دخول ہوا تھا، بلکہ انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا کے ولیمہ والی حدیث کو بعد دخول ولیمہ کے لیے صریح قرار دیا، لہذا ان واضح تصریحات کے برخلاف صرف امام بیہقی کی طرف منسوب اس عبارت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ نیز عمدۃ القاری کے اس مقام کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے اس کو اپنے مذہب کے طور پر بیان نہیں کیا، کیونکہ اس عبارت سے پہلے ابن العربی کا مذہب بعد دخول ولیمہ بیان کیا ہے اور دونوں قولوں کو صرف نقل کیا ہے، اپنا مختار بیان نہیں فرمایا۔ چنانچہ پوری عبارت یہ ہے:"الثالثة: اتخاذ الولیمة فی العرس قال ابن العربی بعد الدخول، وقال البیھقی: کان دخولہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ھذہ الولیمة" تیسرا فائدہ: شادی میں ولیمہ کرنا، ابن

عربی نے کہا: ولیمہ دخول کے بعد ہو گا، اور امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا دخول اس ولیمہ کے بعد تھا۔ (عمدۃ القاری، ج20، ص214، مطبوعہ کوئٹہ)

ثانیاً اس لیے کہ فقہائے احناف نے شروح حدیث میں مروی ان اقوال میں سے پہلے قول کو اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ علامہ طحطاوی علیہ الرحمۃ نے بعد دخول والے قول کو اعتماد کے ساتھ بیان کیا، جبکہ دیگر اقوال کو قیل کے ساتھ بیان کیا اور قیل کے ساتھ بیان کرنا ضعف کی علامت ہے۔ نیز سیدی اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے ایک سے زائد جگہ اسی قول پر اعتماد کیا ہے اور صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ نے بھی بہار شریعت میں اسی قول کو لیا۔

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر میں ہے: "ولیمۃ العرس تکون بعد الدخول وقیل عند العقد وقیل عندھما ابن ملک فی شرح المشارق عند قولہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اولم ولو بشاۃ، ابو السعود" شادی کا ولیمہ ہمبستری کے بعد ہو گا اور کہا گیا: نکاح کے وقت اور کہا گیا: دونوں کے وقت، ابن ملک (نے اس بات کو) مشارق کی شرح میں نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے قول "ولیمہ کر اگرچہ بکری کے ذریعے" کے پاس (ذکر کیا)، ابو السعود۔
(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر، ج4، ص175، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں: "شبِ زفاف کی صبح کو احباب کی دعوت کرنا ولیمہ ہے، رخصت سے پہلے جو دعوت کی جائے ولیمہ نہیں، یونہی بعد رخصت قبل زفاف (ہمبستری سے پہلے)۔"
(فتاوی رضویہ، ج11، ص256، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ایک سوال "ولیمہ نکاح کی سنت ہے یا زفاف کی اور نابالغ کا نکاح ہو، تو ولیمہ کب اور کس دن کرے" کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: "ولیمہ زفاف کی سنت ہے اور نابالغ بھی بعد زفاف کے ولیمہ کرے اور ولیمہ شب زفاف کی صبح کو کرے۔" (احکام شریعت، ص229، مطبوعہ اکبر بک سیلرز اردو بازار، لاھور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: "دعوت ولیمہ سنت ہے۔ ولیمہ یہ ہے کہ شب زفاف کی صبح کو اپنے دوست احباب عزیز و اقارب اور محلہ کے لوگوں کی حسب استطاعت ضیافت کرے اور اس کے لیے جانور ذبح کرنا اور کھانا تیار کرانا، جائز ہے اور جو لوگ بلائے جائیں ان کو جانا چاہیے کہ ان کا جانا اس کے لیے مسرت کا باعث ہو گا۔" (بہار شریعت، ج3، ص392، 391، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن قیل کے ساتھ نقل کردہ قول کے بارے میں

فرماتے ہیں:"عبارت عالمگیری جو امداد المسلمین میں نقل کی، اس کے شروع میں لفظ قیل واقع ہے، اصل عبارت یوں ہے:"قیل الشقراق لا یوکل والبوم یوکل" یہ لفظ اس قول کے ضعف پر دلیل ہوتا ہے، اور یہ بتاتا ہے کہ اس کی طرف بعض گئے ہیں، اکثر علماء خلاف پر ہیں۔" (فتاوی رضویہ، ج20، ص313، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاھور)

نیز اختیار و خانیہ میں بعدِ بنا ولیمہ کا حکم دیا اور لغت و حدیث کے مطابق لفظ "بنا" وطی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور صاحب اختیار و علامہ قاضی خان نے صرف اسی قول پر اقتصار فرمایا اور قوانین رسم الافتاء کے مطابق کئی اقوال میں سے کسی ایک قول پر اقتصار کرنا دلیل اعتماد ہوتا ہے۔

الاختیار لتعلیل المختار میں ولیمہ کے بارے میں ہے:"وھی اذا بنی الرجل بامراتہ ان یدعو الجیران والاقربا والاصدقاء ویذبح لھم ویصنع لھم طعاما" ولیمہ یہ ہے کہ آدمی جب اپنی بیوی سے دخول کرے، تو پڑوسیوں اور رشتہ داروں اور دوستوں کی دعوت کرے اور ان کے لیے جانور ذبح کرے اور ان کے لیے کھانا تیار کرے۔ (الاختیار لتعلیل المختار، ج4، ص188، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

خانیہ میں ہے:"رجل بنی بامراۃ قالوا: ینبغی ان یتخذ ولیمۃ ویدعو الجیران والاقرباء والاصدقاء ویصنع لھم طعاما ویذبح لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام اولم ولو بشاۃ" ایسا آدمی جس نے (شادی کے بعد) عورت سے دخول کر لیا، (اس کے متعلق) علماء نے فرمایا: مناسب ہے کہ ولیمہ کرے اور پڑوسیوں اور رشتہ داروں اور دوستوں کی دعوت کرے اور ان کے لیے کھانا تیار کرے اور جانور ذبح کرے نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے: ولیمہ کر اگرچہ ایک بکری کے ساتھ۔ (خانیہ، ج3، ص306، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

عالمگیری میں ہے:"وتسمیۃ العرس سنۃ وفیھا مثوبۃ عظیمۃ وھی اذا بنی الرجل بامراتہ انہ ینبغی ان یدعو الجیران والاقرباء والاصدقاء ویذبح لھم ویصنع لھم طعاما" دعوت ولیمہ سنت ہے اور اس میں ثواب عظیم ہے اور ولیمہ یہ ہے کہ آدمی جب اپنی بیوی سے دخول کرے، تو پڑوسیوں اور رشتہ داروں اور دوستوں کی دعوت کرے اور ان کے لیے جانور ذبح کرے اور ان کے لیے کھانا تیار کرے۔ (عالمگیری، ج5، ص343، مطبوعہ کوئٹہ)

کئی اقوال میں ایک قول پر اقتصار دلیل اعتماد ہے۔ چنانچہ ردالمحتار میں طحطاوی علی الدر کے حوالے سے ہے:

"الاقتصار علیہ یدل علی اعتمادہ" اس قول پر اقتصار کرنا اس پر اعتماد کی دلیل ہے۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، ج10، ص378، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں: ”علماء تصریح فرماتے ہیں کہ کسی قول پر اقتصار کرنا اس کے اعتماد کی دلیل ہے۔“ (فتاوی رضویہ، ج 17، ص 254، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

خانیہ، عالمگیری اور الاختیار میں مذکور ”بنی الرجل بامراتہ“ کے الفاظ وطی کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ اپنی لغت کی کتاب میں اس کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ” ویقولون: بَنَی الرجلُ بامرأته إذا دخلَ بها وأصلُ ذلک أنّ الرجلَ کان إذا تزوّج یُبْنَی له ولأهله خباءٌ جدید فکثرَ ذلک حتی استُعْمِل في هذا الباب“ آدمی جب اپنی بیوی سے دخول کرے تو لوگ اسے ”بنی الرجل بامراتہ“ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کی اصل یہ ہے کہ آدمی جب شادی کرتا تھا، تو اس کے لیے اور اس کی بیوی کے لیے نیا خیمہ لگایا جاتا تھا، تو یہ کثیر ہو گیا اور اس باب میں استعمال ہونے لگا۔ (المزھر فی علوم اللغۃ، جز 1، ص 334، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علم اللغۃ میں ہے: ”وبنی الرجل بامرأته“ کانت تستخدم کنایة عن دخوله بها؛ لأن الشاب البدوی کان إذا تزوج یبنی له ولأهله خباء جدیدًا“ اور ”بنی الرجل بامراتہ“ کے الفاظ سے مراد کنایۃً شوہر کا بیوی سے دخول لیا جاتا تھا، کیونکہ نوجوان دیہاتی جب شادی کرتا، تو اس کے لیے اور اس کی بیوی کے لیے نیا خیمہ لگایا جاتا۔ (علم اللغۃ، جز 1، ص 324، مطبوعہ مصر)

احادیث سے بھی اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث پاک ہے: ”غزا نبی من الانبیاء، فقال لقومہ: لا یتبعنی رجل ملک بضع امراۃ وھو یرید ان یبنی بھا ولم یبن بھا“ انبیاء میں سے کوئی نبی جہاد کے لیے جانے لگے، تو اپنی قوم سے فرمایا: میرے ساتھ ایسا آدمی نہ چلے جو کسی عورت سے وطی کا مالک ہوا ہو اور وہ اس سے دخول کرنا چاہتا ہو اور ابھی تک دخول نہ کیا ہو۔

اس حدیث پاک کے تحت باب کے الفاظ کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا: ”قولہ: (باب من احب البناء) ای بزوجتہ التی لم یدخل بھا (قبل الغزو) ای اذا حضر الجھاد لیکون فکرہ مجتمعاً“ (باب اس شخص کے بارے میں جسے دخول پسند ہو) یعنی اپنی اس بیوی سے جس سے اس نے ابھی تک دخول نہ کیا ہو (جہاد سے پہلے) یعنی جب جہاد کا وقت آجائے تاکہ اس کی فکر جمع رہے۔ (فتح الباری، ج 9، ص 279، مطبوعہ کراچی)

امام نووی علیہ الرحمۃ نے لفظ ”بنی“ سے دخول مراد لیا ہے۔ حدیث یہ ہے: ”اولم رسول اللہ صلی اللہ تعالی

علیه وسلم حین بنی بزینب بنت جحش فاشبع الناس خبزاً ولحماً" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دخول فرمایا، تو ولیمہ کیا اور لوگوں کو روٹی اور گوشت سے سیر اب کر دیا۔

اس کے تحت علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ امام نووی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " والمنقول من فعل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہا بعد الدخول کانہ یشیر الی قصۃ زینب بنت جحش وقد ترجم علیہ البیہقی فی وقت الولیمۃ" اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے منقول یہ ہے کہ ولیمہ دخول کے بعد تھا گویا کہ وہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور تحقیق امام بیہقی علیہ الرحمۃ نے اس پر ولیمہ کے وقت کے بارے میں ترجمہ قائم کیا ہے۔ (فتح الباری، ج9، ص287، مطبوعہ کراچی)

مذکورہ بالا حدیث کچھ الفاظ کے فرق کے ساتھ عمدۃ القاری میں ذکر کی گئی اور لفظ "بنی" سے دخول مراد لیا۔ عمدۃ القاری میں ہے: "عن بیان قال: سمعت انساً یقول: بنی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بامراۃ فارسلنی فدعوت رجالاً الی الطعام" حضرت بیان سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک عورت سے دخول فرمایا، تو مجھے بھیجا پس میں نے لوگوں کو کھانے کی طرف بلایا۔

اس کے تحت علامہ بدر الدین عینی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "قولہ: (بنی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) من البناء وھو الدخول بزوجتہ وقد ذکر غیر مرۃ۔ قولہ: (بامراۃ) ھی زینب بنت جحش " حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول: (بنی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بناء سے ہے اور وہ اپنی بیوی سے دخول کو کہتے ہیں اور تحقیق یہ بات کئی مرتبہ مذکور ہوئی۔ ان کا قول (ایک عورت سے) وہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ (عمدۃ القاری، ج20، ص219، مطبوعہ کوئٹہ)

مرقاۃ المفاتیح میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے متعلق روایت ذکر فرمائی: " وعنہ قال: اقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین خیبر والمدینۃ ثلاث لیال یبنی علیہ بصفیۃ، فدعوت المسلمین الی ولیمتہ۔۔۔ رواہ البخاری " اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی

اللہ تعالی علیہ وسلم نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین راتیں قیام فرمایا آپ پر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کا زفاف کیا جاتا تھا، تو میں نے مسلمانوں کو آپ کے ولیمہ کی طرف بلایا۔۔۔اس کو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے روایت فرمایا۔

اس روایت کے تحت شرح میں ہے: ”قوله: (یبنی علیه) علی بناء المفعول۔روی انه بنی بها صلی اللہ علیه وسلم بالصهباء۔ملخصا“ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ کا قول: (آپ پر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا کا زفاف کیا جاتا تھا) مبنی للمفعول ہے۔روایت کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ سے مقام صہباء پر دخول فرمایا۔ (مرقاۃ المفاتیح، ج6، ص338،337، مطبوعہ کوئٹہ)

مذکورہ بالا روایت کے الفاظ (ثلاث لیال یبنی علیه) کا مراۃ المناجیح میں یوں ترجمہ کیا گیا ہے: ”نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین شب قیام فرمایا، آپ پر حضرت صفیہ کا زفاف کیا جاتا تھا۔ (مراۃ المناجیح، ج5، ص95، مطبوعہ لاھور)

مذکورہ بالا روایت کے تحت مراۃ المناجیح میں ہے: ”یعنی بی بی صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا غزوہ خیبر میں مسلمان ہوئیں حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں مگر زفاف وہاں خیبر میں نہ ہوا، بلکہ مدینہ منورہ واپس ہوتے ہوئے کسی منزل پر ہوا وہاں تین دن قیام رہا وہاں ہی ولیمہ ہوا۔“ (مراۃ المناجیح، ج5، ص95، مطبوعہ لاھور)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُه اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

ریفرنس نمبر: Gul-2565 تاریخ: 15-08-2022

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زینب کا نکاح حسن سے ہوا، زینب اور حسن دونوں اچھی زندگی گزار رہے ہیں، زینب کا میکہ اسی شہر میں قریب ہی ہے۔ زینب جب میکے جاتی ہے، تو اس کے والد کئی مرتبہ زینب کو اپنے میکے میں کئی کئی دن تک روکے رکھتے ہیں، جس پر حسن راضی نہیں ہے۔ کئی مرتبہ بحث و تکرار بھی ہو جاتی ہے۔ زینب کے والد یہ کہتے ہیں کہ چونکہ میں تمہارا والد ہوں، لہذا میں جو کہوں گا اسی پر عمل کرنا ہو گا، اگر میرے مقابلے میں تم نے کسی بھی معاملے میں کسی دوسرے کو ترجیح دی، تو تم گنہگار ہو گی۔

1۔ پوچھنا یہ ہے کہ اس معاملے میں زینب کس کی بات مانے؟ شوہر کی یا والد کی؟

2۔ شوہر اگر باہر کے ملک چلا جاتا ہے، اور وہ بیوی کو اپنے ماں باپ کے ساتھ اپنے گھر چھوڑ جاتا ہے، اور وہیں رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ بیوی بھی وہاں رہنے پر راضی ہو اور اسے شوہر کے رشتہ داروں سے ایذاء بھی نہ ہو، عزت و حرمت پر بھی کوئی فتنہ نہ ہو، مگر زینب کے والد کہیں کہ یہ ہمارے گھر ہی رہے گی، تو اس صورت میں بھی بتائیں کہ شوہر کی بات مانی جائے گی یا والد کی؟

نوٹ: سوال میں درج نام فرضی ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

1۔ جو معاملات ازدواجی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، ان معاملات میں عورت پر مطلقاً شوہر کی اطاعت لازم ہے۔ حدیث پاک میں بھی عورت پر سب سے زیادہ حق، شوہر کا فرمایا گیا ہے۔ البتہ ہفتے میں ایک مرتبہ عورت کو اپنے والدین سے ملنے سے شوہر منع نہیں کر سکتا۔ لیکن عورت، رات کہاں پر گزارے گی، اس معاملے میں شوہر کی رائے کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر شوہر

اس بات پر راضی نہیں ہے کہ عورت اپنے میکے میں رات گزارے، تو شوہر کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ زینب کے والد کو بھی چاہیے کہ وہ شریعت کی پاسداری کرتے ہوئے بلاوجہ اپنی بیٹی کو شوہر کی اجازت کے بغیر میکے میں ہر گز نہ روکیں۔ والدین کے حقوق اپنی جگہ پر لازم ہیں، مگر یہاں انہیں شوہر کے حقوق کو ترجیح دیتے ہوئے زبردستی اپنا حکم نافذ نہیں کرنا چاہیے، اسی میں ان کی، اوران کی بیٹی کی بھی بھلائی ہے۔ جب ہر شخص شریعت کی رہنمائی میں ہی حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھے گا، تو لڑائی جھگڑے کی نوبت نہیں آئے گی۔

السنن الکبری للنسائی اور مستدرک للحاکم میں ہے:"واللفظ للمستدرک:عن عائشة رضی اللہ تعالی عنها: قالت: قلت یارسول اللہ أی الناس أعظم حقا علی المرأة؟ قال: زوجها۔ قلت: فأی الناس أعظم حقا علی الرجل؟ قال: أمه" ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورت پر لوگوں میں سے سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ فرمایا: اس کے شوہر کا۔ میں نے عرض کی: مرد پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ فرمایا: اس کی ماں کا۔ **(المستدرک للحاکم، جلد4، صفحہ167، مطبوعہ بیروت)**

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن شوہر کے حقوق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:"امور متعلقہ زن وشوی میں مطلقاً اس کی اطاعت کہ ان امور میں اس کی اطاعت والدین پر بھی مقدم ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ371، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاہور)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:"شوہر کے حقوق، عورت پر بکثرت ہیں اور اس پر وجوب بھی اشد وآکد، ہم اس پر حدیث لکھ چکے کہ عورت پر سب سے بڑا حق شوہر کا ہے، یعنی ماں باپ سے بھی زیادہ، اور مرد پر سب سے بڑا حق ماں کا ہے، یعنی زوجہ کا حق اس سے، بلکہ باپ سے بھی کم۔" **(فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ391، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاہور)**

رات گزارنے میں بھی شوہر کی اطاعت ضروری ہے۔ البحر الرائق میں ہے:"الصحیح أنه لا یمنعها من الخروج الی الوالدین ولا یمنعهما من الدخول علیها فی کل جمعة وفی غیرهما من المحارم فی کل سنة وانما یمنعهم من الکینونة عندها وعلیه الفتوی کما فی الخانیة" ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ عورت کو ہر جمعے والدین کی طرف جانے سے منع نہیں کیا جائے گا اور والدین کو بھی عورت کی طرف آنے سے منع نہیں کرے گا۔ والدین کے علاوہ محارم سے سال میں ایک مرتبہ ملنے سے منع نہیں کرے گا۔ عورت کے پاس والدین کو رات گزارنے سے منع کر سکتا ہے۔ اسی پر فتوی ہے، جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ **(البحر الرائق، جلد4، صفحہ330، مطبوعہ کوئٹہ)**

بہار شریعت میں ہے:"عورت کے والدین ہر ہفتہ میں ایک بار اپنی لڑکی کے یہاں آسکتے ہیں، شوہر منع نہیں کر سکتا، ہاں اگر رات میں وہاں رہنا چاہتے ہیں، تو شوہر کو منع کرنے کا اختیار ہے اور والدین کے علاوہ اور محارم سال بھر میں ایک بار آسکتے ہیں۔ یوہیں عورت اپنے والدین کے یہاں ہر ہفتہ میں ایک بار اور دیگر محارم کے یہاں سال میں ایک بار جاسکتی ہے، **مگر رات میں بغیر اجازت شوہر وہاں نہیں رہ سکتی، دن ہی دن میں واپس آئے۔**"

(بہار شریعت، جلد2، حصہ8، صفحہ272، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2۔ یہ حق بھی شوہر کو ہے کہ وہ جہاں پر اپنی بیوی کو ٹھہرائے وہ وہیں پر رہائش اختیار کرے گی۔ جب تک کوئی شرعی عذر نہ پایا جائے تب تک شوہر اس کو گھر سے نکلنے سے منع کر سکتا ہے۔ اس میں چاہے شوہر سفر پر ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں ہی شوہر کو منع کا اختیار ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ شوہر پر عورت کا نفقہ اس لیے ہوتا ہے کہ عورت، شوہر کے حق میں ، شوہر کے گھر میں یا اس کی اجازت سے کہیں اور مقیم ہو۔ یہ نفقہ اس وقت بھی واجب ہوتا ہے جب شوہر سفر پر ہو، یا غائب ہو جائے یا قید کر لیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شوہر سفر کی حالت میں ہو، تب بھی عورت، شوہر کے حق میں شوہر کے گھر مقیم ہونے کے سبب اپنا حق احتباس ادا کرنے والی کہلائے گی۔ اسی وجہ سے شوہر کے سفر پر ہونے کے باوجود نفقہ لازم ہو رہا ہے۔ اگر شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے جائے گی، تو ناشزہ کہلائے گی اور نفقہ بھی ساقط ہو جائے گا، کیونکہ احتباس ختم ہو گیا، اور عورت کو ناشزہ بننے کی اجازت نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ نظیر بھی ہے کہ فقہاء نے ذکر فرمایا ہے کہ عورت اگر اس وقت شوہر کے گھر واپس آئی جب شوہر سفر پر تھا، تب بھی اس کا ناشزہ ہونا ختم ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نشوز کے ختم ہونے کے لیے شوہر کے مسافر یا مقیم ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، لہذا نشوز کے متحقق ہونے کے لیے بھی شوہر کے مسافر یا مقیم ہونے کا اعتبار نہیں ہو گا۔ اعتبار ان امور میں شوہر کی رضامندی اور اطاعت کا ہے۔

نیز سوال میں مذکور ہے کہ شوہر اس بات کا متقاضی ہے کہ عورت اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھر میں اس کے والدین کے ساتھ رہے۔ اور اس کی عزت و حرمت پر بھی کوئی فتنہ نہیں، ایسی صورت میں بیوی کے والد کو زبردستی اپنے گھر رکھنے کا اختیار نہیں۔

شوہر جہاں چاہے عورت کو رکھے، اس تعلق سے مجمع الانہر میں ہے:"یجب (علی الزوج ان یسکنھا) ای الزوجۃ لقولہ تعالی ﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ﴾ (فی بیت) ای فی مکان یصلح مأوی للانسان **حیث**

أحب لكن بين جيران صالحين "ترجمہ: شوہر پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو رہائش دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے" عورتوں کو وہاں رکھو جہاں خود رہتے ہو، اپنی طاقت بھر" یہ رہائش ایسے مکان میں دے جہاں انسان رہ سکتے ہوں، **رہائش جہاں چاہے دے، مگر** نیک پڑوسیوں کے درمیان ہو۔ **(مجمع الانهر، جلد2، صفحه185، مطبوعه کوئٹه)**

شوہر کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ عورت کو بلا وجہ گھر سے باہر جانے سے منع کرے۔ ردالمحتار میں ہے:" له منعها عن كل عمل يؤدي الى تنقيص حقه أو ضرره أو الى خروجها من بيته "ترجمہ: شوہر کو ہر اس کام سے منع کرنے کا اختیار ہے جس میں شوہر کے حق میں کمی ہوتی ہو یا شوہر کو نقصان ہوتا ہو، یا عورت کو شوہر کے گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہو۔
(ردالمحتار، جلد5، صفحه331، مطبوعه کوئٹه)

بہار شریعت میں ہے:" عورت اگر کوئی ایسا کام کرتی ہے جس سے شوہر کا حق فوت ہوتا ہے یا اُس میں نقصان آتا ہے یا اُس کام کے لیے باہر جانا پڑتا ہے، تو شوہر کو منع کر دینے کا اختیار ہے۔ بلکہ نظر بحالِ زمانہ ایسے کام سے تو منع ہی کرنا چاہیے جس کے لیے باہر جانا پڑے۔" **(بهارشریعت، جلد2، حصه8، صفحه272، مطبوعه مکتبة المدینه، کراچی)**

نفقہ، حق احتباس ہے یعنی شوہر کی رضامندی جہاں رکھنے کی ہے، وہاں رہنے پر شوہر کی فرماں برداری پوری کرنے کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔ محیط برہانی میں ہے:" أن النفقة انما تجب عوضاً عن الاحتباس في بيت الزوج، فاذا كان الفوات لمعنى من جهة الزوج أمكن أن يجعل ذلك الاحتباس باقياً تقديراً، أما اذا كان الفوات بمعنى من جهة الزوجة لا يمكن أن يجعل ذلك الاحتباس باقياً تقديراً وبدونه لا يمكن ايجاب النفقة "ترجمہ: بیوی کا نفقہ اس احتباس کی وجہ سے لازم ہوتا ہے، جو وہ شوہر کے گھر میں رکھتی ہے، اگر یہ احتباس کسی ایسی وجہ سے فوت ہو جائے، جو شوہر کی طرف سے ہو، تو اس احتباس کو تقدیراً باقی رکھنا ممکن ہے۔ (لہذا نفقہ بھی لازم رہے گا) اگر یہ احتباس کسی ایسی وجہ سے فوت ہو جائے، جو بیوی کی طرف سے ہو، تو اس احتباس کو تقدیراً باقی نہیں مانا جا سکتا، اور اس احتباس کے بغیر نفقہ بھی لازم نہیں ہو سکتا۔
(محیط برهانی، جلد3، صفحه522، مطبوعه بیروت)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں:" عورت کا نان ونفقہ کہ شوہر کے یہاں پابند رہنے کا بدلہ ہے، اگر ناحق اس کے یہاں سے چلی جائے گی، جب تک واپس نہ آئے گی کچھ نہ پائے گی۔"
(فتاوی رضویه، جلد24، صفحه391، مطبوعه رضا فاؤنڈیشن، لاهور)

شوہر کہیں چلا جائے تب بھی نفقہ لازم ہوتا ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے:" واذا هرب الزوج أو حبس بحق أو ظلم

فلھا النفقة لعدم المانع من جھتھا" ترجمہ: جب شوہر بھاگ جائے یا کسی حق کی وجہ سے یا ظلماً قید کر لیا جائے تب بھی عورت کا نفقہ لازم ہو گا، کیونکہ مانع عورت کی طرف سے نہیں ہے۔ **(تبیین الحقائق، جلد3، صفحہ305، مطبوعہ کراچی)**

شوہر مسافر ہو تب بھی شوہر کے گھر واپسی پر نشوز ختم ہو جاتا ہے۔ نہر الفائق میں ہے: "ولو عادت الی منزلہ بعد ما سافر أجابوا بأنھا خرجت عن أن تکون ناشزۃ، کذا فی الخلاصۃ" ترجمہ: اگر شوہر کے سفر پر جانے کے بعد بھی عورت، شوہر کے گھر واپس آگئی، تو فقہاء نے فرمایا کہ اب اس پر ناشزہ کا حکم نہیں لگے گا، اسی طرح خلاصہ میں ہے۔

(نہر الفائق، جلد2، صفحہ508، مطبوعہ کراچی)

بہار شریعت میں ہے: "عورت شوہر کے یہاں سے ناحق چلی گئی، تو نفقہ نہیں پائے گی، جب تک واپس نہ آئے اور اگر اُس وقت واپس آئی کہ شوہر مکان پر نہیں، بلکہ پردیس چلا گیا ہے، جب بھی نفقہ کی مستحق ہے۔"

(بہار شریعت، جلد2، حصہ8، صفحہ262، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

بہار شریعت میں ہے: "لڑکی ثیب ہے، مثلاً: بیوہ ہے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، تو اُسے اختیار ہے، ورنہ باپ دادا وغیرہ کے یہاں رہے۔" **(بہار شریعت، جلد2، حصہ8، صفحہ256، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)**

واللہ اعلم عزوجل **و رسولہ اعلم** صلی اللہ تعالی علیہ و آلہ وسلم

کتبـــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو محمد محمد فراز عطاری مدنی

16 محرم الحرام 1444ھ/15 اگست 2022ء

الجواب صحیح

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

ریفرینس نمبر: har 5187　بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ　تاریخ: 24-02-2019

بچی گود لینے کے شرعی احکام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی بھتیجی گود لی ہے۔ سوال یہ ہے کہ قانونی دستاویزات میں ولدیت کے خانے میں کس کا نام لکھوانا ہوگا، گود لینے والے یعنی میرے شوہر کا یا بچی کے حقیقی باپ کا؟ نیز وہ اپنے حقیقی باپ کی وراثت سے حصہ پائے گی یا گود لینے والے کی وراثت سے حصہ پائے گی؟

نوٹ: لے پالک بچی کا گود لینے والے سے کوئی رشتہ نہیں ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

قوانینِ شرعیہ کے مطابق بچے یا بچی کو بطورِ ولدیت حقیقی والد کے علاوہ گود لینے والے یا اس کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرنا سخت ناجائز و حرام ہے، کیونکہ گود لینے سے حقیقت نہیں بدلتی اور لے پالک بچہ و بچی بدستور اپنے باپ کی اولاد رہتے ہیں، لہذا صورتِ مستفسرہ میں قانونی دستاویزات مثلاً: شناختی کارڈ، پاسپورٹ وغیرہ، یونہی زبانی پکارنے میں ولدیت کی جگہ پر اس بچی کے حقیقی باپ ہی کا نام بولنا اور لکھنا ضروری ہے، گود لینے والے کا نام بطور والد بولنے یا لکھنے کی ہرگز اجازت نہیں، البتہ بطورِ سرپرست اس کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔

نیز جب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ گود لینے سے حقیقت نہیں بدلتی اور لے پالک بچہ یا بچی بدستور اپنے باپ کی ہی اولاد رہتے ہیں، گود لینے والے کی نہ اولاد ہوتے ہیں، نہ اس اعتبار سے اس کے وارث، لہذا مذکورہ بچی، گود لینے والے کی کسی صورت وارث نہیں بنے گی، بلکہ اپنے حقیقی باپ کے انتقال کے وقت زندہ ہونے اور موانعِ ارث (وراثت سے محروم کرنے والے اسباب) نہ پائے جانے کی صورت میں اپنے حقیقی باپ ہی کی وارث ہوگی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے: ﴿ اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَمَوَالِيۡكُمۡ ﴾ ترجمۂ کنز الایمان: " انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے۔ پھر اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمہارے چچازاد یعنی تمہارے دوست۔"

(القرآن، پارہ 21، سورۃ الاحزاب، آیت 5)

اس آیتِ مبارکہ کے تحت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں: "یعنی ممانعت کے بعد اگر تم دیدہ دانستہ لے پالکوں کو ان کے مربی (پالنے والے) کا بیٹا کہو گے تو گناہ گار ہو گے۔"

(تفسیر نورالعرفان، ص 503، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من ادعی الی غیر ابیه و ھو یعلم انه غیر ابیه فالجنة علیه حرام" جس نے خود کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا حالانکہ اسے علم تھا کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔

(صحیح بخاری، ج 2، ص 533، حدیث 6766، مطبوعہ لاہور)

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ اسی مضمون کی ایک حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "جان بوجھ کر اپنے نسب کو بدلنا حرام و گناہ ہے۔ نسب بدلنے کی دو صورتیں ہیں: ایک نفی یعنی اپنے باپ سے نسب کا انکار کرنا، دوسرے اِثبات یعنی جو باپ نہیں اسے اپنا باپ بتانا، دونوں حرام ہیں۔ ملخصا۔" (نزھۃ القاری، ج 4، ص 496، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاھور)

لے پالک کے وارث نہ ہونے کے متعلق سیدی اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: "پسر خواندہ نہ چنیں کس را پسر می شود نہ خود بے علاقہ از پدران الحقائق لا تغیّر، شرعاً وارث پدر ست نہ اینکس دیگر۔" منہ بولا بیٹا نہ ایسے شخص کا بیٹا ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے باپ سے بے تعلق کیونکہ حقیقتوں میں تغیر نہیں ہوتا، **شرعی طور پر وہ اپنے باپ کا وارث ہے نہ کہ اس دوسرے شخص کا جس نے اس کو منہ بولا بیٹا بنایا ہے۔**

(فتاویٰ رضویہ، ج 26، ص 178، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

صدر الشریعہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: "تبنّی کرنا یعنی لڑکا گود لینا شرعاً منع نہیں، مگر وہ لڑکا اس کا لڑکا نہ ہو گا بلکہ اپنے باپ ہی کا کہلائے گا اور وہ اپنے باپ کا ترکہ پائے گا۔ گود لینے والے کا نہ یہ بیٹا ہے نہ اِس حیثیت سے اس کا وارث، ہاں اگر وارث ہونے کی بھی اس میں حیثیت موجود ہے مثلاً بھتیجا کو گود لیا تو یہ وارث ہو سکتا ہے جبکہ کوئی اور مانع نہ ہو۔"

(فتاوی امجدیہ، ج 3، ص 365، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی)

یاد رہے کہ لے پالک بچہ و بچی صرف گود لینے سے مَحرَم نہیں بن جاتے، لہٰذا جب وہ بچی گود لینے والے یعنی آپ کے شوہر کی محرم نہیں ہے، تو ہجری سن کے لحاظ سے جب پندرہ سال کی ہو جائے یا نو سے پندرہ سال کی عمر کے دوران بالغہ ہونے کے آثار ظاہر ہو جائیں مثلاً احتلام ہو جائے یا حیض آجائے یا حاملہ ہو جائے تو اس بچی اور آپ کے شوہر کے درمیان پردہ فرض ہو گا اور اگر آثارِ بلوغ ظاہر نہ ہوں، تو مستحب، خصوصاً ہجری سن کے اعتبار سے بارہ سال کی عمر ہو جانے کے بعد پردے کا ضرور خیال رکھا جائے کہ اس کی بہت تاکید ہے۔

البتہ اگر آپ یا گود لینے والے کی کوئی محرم عورت جیسے ماں، دادی، نانی، بہن، بھتیجی وغیرہ مذکورہ بچی کو اس کی عمر دو سال ہونے

سے پہلے اپنا دودھ پلادے گی، تو اس صورت میں آپ کے شوہر کا اس بچی سے رضاعی رشتہ قائم ہو جائے گا اور بعدِ بلوغت پردہ واجب نہیں ہو گا۔ خیال رہے کہ ڈھائی سال کی عمر ہونے تک دودھ پلانے سے بھی اگرچہ حرمتِ رضاعت ثابت ہو جاتی ہے ، لیکن دو سال کی عمر ہو جانے کے بعد دودھ پلانا، جائز نہیں، لہٰذا رضاعی رشتہ قائم کرنے کے لیے دو سال کی عمر سے پہلے دودھ پلایا جائے، اس کے بعد حرام ہے۔

تنویر الابصار ودرِ مختار میں ہے:"(بلوغ الجارية بالا حتلام والحيض والحبل فان لم يوجد) شئ (فحتى يتم خمس عشرة سنة، به يفتى) لقصر اعمار اهل زماننا (و ادنى مدته لها تسع سنين) هو المختار۔ ملخصا۔"لڑکی کا بالغ ہونا احتلام، حیض اور حمل ٹھہرنے سے ہوتا ہے، اگر ان میں سے کچھ نہ پایا جائے تو یہاں تک کہ پندرہ سال پورے ہو جائیں (تو بالغہ ہو جائے گی)، اسی پر فتویٰ دیا جائے گا ہمارے زمانے کے لوگوں کی عمریں کم ہونے کی وجہ سے اور بلوغت کی کم سے کم مدت لڑکی کے لیے نو سال ہے، یہی مختار ہے۔ (تنویر الابصار و در مختار، ج9، ص259۔260، مطبوعہ کوئٹہ)

مدتِ رضاعت کے متعلق تنویر الابصار و درِ مختار میں ہے:"(هو فى وقت مخصوص، حولان و نصف عنده و حولان) فقط (عندهما و هو الاصح) فتح، و به يفتى كما فى تصحيح القدورى۔ ملخصا۔" یہ مخصوص وقت میں ہے، امامِ اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک دو اور نصف سال اور صاحبین علیہما الرحمۃ کے نزدیک صرف دو سال، اور یہی اصح ہے فتح۔ اور اسی کے ساتھ فتوی دیا جاتا ہے جیسا کہ تصحیح القدوری میں ہے۔ (تنویر الابصار و در مختار، ج4، ص387، مطبوعہ کوئٹہ)

مجمع الانہر میں ہے:"الارضاع بعد مدته حرام لانه جزء الآدمى و الانتفاع به لغير ضرورة حرام على الصحيح۔" دودھ پلانا اس کی مدت گزرنے کے بعد حرام ہے کیونکہ یہ آدمی کا جزء ہے اور اس سے بلاضرورت نفع اٹھانا صحیح قول کے مطابق حرام ہے۔ (مجمع الانہر، ج1، ص552، مطبوعہ کوئٹہ)

دودھ چھڑانے، نیز نکاح حرام ہونے کی مدت کے متعلق سیدی اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: " فالاحوط ان يعمل بقولهما فى الفِطام و بقوله فى التحريم عملاً بالاحتياط فى الموضعين۔" پس احوط یہ ہے کہ دودھ چھڑانے میں صاحبین کے قول پر عمل کیا جائے اور (نکاح) حرام ہونے میں امامِ اعظم علیہ الرحمۃ کے قول پر، دونوں مقامات میں احتیاط پر عمل کرتے ہوئے۔ (جد الممتار، ج4، ص657، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

رضاعی رشتے کے متعلق فتاویٰ عالمگیری میں ہے:"يحرم على الرضيع ابواه من الرضاع و اصولهما و فروعهما من النسب و الرضاع جميعاً حتى ان المرضعة لو ولدت من هذا الرجل او غيره قبل هذا الارضاع او بعده او ارضعت رضيعاً او ولد لهذا الرجل من غير هذه المراة قبل هذا الارضاع او بعده او ارضعت امراة من لبنه رضيعا فالكل

اخوۃ الرضیع واخواتہ واولادھم اولاد اخوتہ واخواتہ واخو الرجل عمہ واختہ عمتہ واخو المرضعۃ خالہ واختھا خالتہ۔" دودھ پینے والے بچے پر رضاعی ماں باپ، ان کے اصول اور دونوں کی نسبی یا رضاعی اولاد حرام ہے حتی کہ اگر دودھ پلانے والی نے اِس دودھ پلانے سے پہلے یا بعد، اسی شوہر یا اس کے علاوہ کسی اور شوہر سے کوئی بچہ جنا یا کسی کو دودھ پلایا یا اس آدمی کے پاس اس کے علاوہ کسی اور عورت سے اس دودھ پلانے سے پہلے یا بعد کوئی بچہ پیدا ہوا، یا عورت نے اس کے دودھ سے کسی بچے کو دودھ پلایا تو یہ سب دودھ پینے والے بچے کے رضاعی بھائی بہن اور ان کی اولادیں اس کے بھتیجے، بھتیجیاں اور بھانجے، بھانجیاں ہیں اور مرد(رضاعی باپ)کا بھائی اس کا چچا اور اس کی بہن اس کی پھوپھی اور دودھ پلانے والی کا بھائی اس کا ماموں اور اس کی بہن اس کی خالہ ہے۔

(عالمگیری، ج1، ص343، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن پردے کے احکام کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:"نو برس سے کم کی لڑکی کو پردہ کی حاجت نہیں اور جب پندرہ برس کی ہو، سب غیر محارم سے پردہ واجب اور نو سے پندرہ تک اگر آثارِ بلوغ ظاہر ہوں تو واجب اور نہ ظاہر ہوں تو مستحب، خصوصا بارہ برس کے بعد بہت مؤکَّد کہ یہ زمانہ قربِ بلوغ و کمال اشتہا کا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج23، ص639، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاھور)

سیدی اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن قریب البلوغ لے پالک بچی کے متعلق ہونے والے سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:"دختر اب کہ بالغہ ہوئی یا قریب بلوغ پہنچی جب تک شادی نہ ہو ضرور اس کو باپ کے پاس رہنا چاہیے، یہاں تک کہ نو برس کی عمر کے بعد سگی ماں سے لڑکی لے لی جائے گی اور باپ کے پاس رہے گی نہ کہ اجنبی جس کے پاس رہنا کسی طرح جائز ہی نہیں، بیٹی کے پالنے سے بیٹی نہیں ہو جاتی۔ ملخصا۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج13، ص639، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاھور)

واللہ اعلم عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــــــــــــہ

مفتی فضیل رضا عطاری

18 جمادی الاخری 1440ھ/24 فروری 2019ء

ریفرنس نمبر:sar 2185 تاریخ:19-04-2018

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ کیا صفر کے مہینے میں شادی وغیرہ کرنا شریعت میں منع ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

صفر کے مہینے میں نکاح کرنا بلاشبہ جائز ہے۔ بعض لوگ صفر کے مہینے میں اس اعتقاد کی بناپر شادی نہیں کرتے کہ اس مہینے میں بلائیں وغیرہ اترتی ہیں اور یہ منحوس مہینہ ہے۔ یہ اعتقاد محض باطل و مردود ہے، جس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اسے منحوس سمجھتے تھے، تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منحوس جاننے سے منع فرمادیا۔ جیسا کہ مشکوۃ المصابیح میں ہے:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا عدوی ولا طیرۃ ولا ھامۃ ولا صفر" ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عدویٰ نہیں یعنی مرض لگنا اور متعدی ہونا نہیں اور نہ بدفالی ہے اور نہ ہی اُلّو منحوس ہے اور نہ ہی صفر کا مہینہ منحوس ہے۔"

(مشکوۃ المصابیح مع مرقاۃ المفاتیح، ج8، ص394، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے اسی طرح کا ایک سوال پوچھا گیا کہ "ماہ محرم الحرام و صفر المظفر میں نکاح کرنا منع ہے یا نہیں" تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیتے

ہوئے ارشاد فرمایا ''نکاح کسی مہینے میں منع نہیں۔''

(فتاوی رضویہ، ج11، ص265، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاھور)

صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''ماہ صفر کو لوگ منحوس جانتے ہیں اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے اور بھی اس قسم کے کام کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور سفر کرنے سے گریز کرتے ہیں خصوصا ماہ صفر کی ابتدائی تیرہ تاریخیں بہت زیادہ نحس مانی جاتی ہیں اور ان کو تیرہ تیزی کہتے ہیں یہ سب جہالت کی باتیں ہیں حدیث میں فرمایا کہ صفر کوئی چیز نہیں یعنی لوگوں کا اسے منحوس سمجھنا غلط ہے۔'' **(بہارشریعت، ج3، ص659، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ)**

مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یکم صفر سے ۱۳ صفر تک اور یکم ربیع الاول سے ۱۲ ربیع الاول تک شادی بیاہ کرنا بلاشبہ جائز ہے شرعا کوئی حرج نہیں۔ ان تاریخوں میں شادی بیاہ کرنے کو منع کرنا جہالت ونادانی ہے۔''

(فتاوی فیض الرسول، ج1، ص562، مطبوعہ شبیر برادرز)

واللہ اعلم عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

08 شعبان المعظم 1439ھ/19 اپریل 2018ء

کیا دُرود پاک حق مہر بن سکتا ہے؟

ریفرنس نمبر: Fsd8130 تاریخ: 28-11-2022

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ دُرود شریف کو حق مہر مقرر کیا جاسکتا ہے، زید کا کہنا ہے کہ دُرودِ پاک وغیرہ کسی غیرِ مال چیز کو بھی حق مہر مقرر کیا جاسکتا ہے، کیونکہ حدیث پاک سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت حواء رضی اللہ عنہا کے مہر میں دُرود شریف پڑھا تھا، اِسی طرح ایک صحابیہ کا مہر تعلیمِ قرآن رکھا گیا تھا، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو چیز مال نہ ہو اسے مہر مقرر کیا جاسکتا ہے، شرعی رہنمائی فرمائیے ان روایات کے مطابق کیا دُرود پاک کو مہر مقرر کیا جاسکتا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

نکاح میں دُرود پاک کو عورت کا حق مہر مقرر نہیں کیا جاسکتا، اگر کسی نے کر دیا، تب بھی مہرِ مثل لازم ہو گا، مہرِ مثل سے مراد عورت کے والد کی طرف سے خاندان کی اُس جیسی عورتوں کا جو مہر مقرر ہوا، مثلاً: اُس کی بہن، پھوپھی، چچا کی بیٹی وغیرہا کا مہر، اس عورت کے لیے مہرِ مثل ہے۔

مسئلہ کی تفصیل: نکاح کے باب میں ایک اہم چیز "مہر" ہے، شرعاً "مہر" اُس مال کو کہا جاتا ہے، جو عورت مرد سے نکاح کے عوض حاصل کرنے کی مستحق ہوتی ہے، شریعتِ مطہرہ نے مہر کو عورت کا ایسا اہم حق قرار دیا ہے کہ اگر بوقتِ نکاح اِس کا ذکر نہ بھی کیا جائے، تب بھی شوہر پر عورت کو مہر دینا لازم ہوتا ہے، اِس مہر کا مالِ متقوّم یعنی ایسا مال ہونا ضروری ہے کہ جس کی کوئی قیمت ہو۔ مہر وہی چیز بن سکتی ہے جو مال ہو، اس لیے نیکی کے کاموں، مثلاً: تعلیمِ قرآن، تلاوت و نماز یا دُرود پاک وغیرہا کو مہر مقرر کرنا دُرست نہیں کہ یہ مال نہیں اور جو چیز مال نہ ہو، وہ مہر بھی

نہیں بن سکتی، مزید یہ کہ مرد پر مہر کی صورت میں مال لازم کرنے میں شریعتِ مطہرہ نے بہت سی حکمتیں پوشیدہ رکھی ہیں، اگر مہر سے مال کو ہی ختم کر دیا جائے، تو مہر لازم کرنے کے مقاصد ہی فوت ہو جائیں گے، اس لیے بھی مہر میں مال ہی دینا لازم ہے، جیسا کہ علامہ کاسانی حنفی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

مہر میں مال ہونا ضروری ہونے کے متعلق آیاتِ قرآنیہ:

(1) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً﴾ ترجمہ کنز العرفان: "اور ان (محرمات) عورتوں کے علاوہ سب تمہیں حلال ہیں کہ تم انہیں اپنے مالوں کے ذریعے نکاح کرنے کو تلاش کرو، نہ کہ زنا کرنے کے لیے، تو ان میں سے جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہو، ان کے مقررہ مہر انہیں دے دو۔ (پارہ5، سورۃ النساء، آیت24)

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ کے اِس جزء ﴿بِاَمْوَالِكُمْ﴾ کے تحت امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نَسَفِی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات:710ھ/1310ء) لکھتے ہیں: "فیه دلیل علی . . . أنه یجب وإن لم یسم وأن غیر المال لا یصلح مهرا" ترجمہ: آیتِ مبارکہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ نکاح میں مہر اگرچہ ذکر نہ بھی کیا جائے، تب بھی لازم ہی ہے اور اس بات پر بھی دلیل ہے کہ جو چیز مال نہیں، وہ مہر بننے کے قابل نہیں۔
(التفسیر النسفی، سورۃ النساء، تحت الایۃ24، جلد1، صفحہ348، مطبوعہ لاھور)

اِسی طرح امام ابو بکر احمد بن علی جَصَّاص رازی حنفی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات:370ھ/980ء) نے بیان کیا۔ (احکام القرآن للجصاص، باب المهور، جلد2، صفحہ199، مطبوعہ کراچی)

اور صراط الجنان فی تفسیر القرآن میں ہے: "مہر کا مال ہونا ضروری ہے اور جو چیز مال نہیں، وہ مہر نہیں بن سکتی، مثلاً: مہر یہ ٹھہرا کہ شوہر عورت کو قرآنِ مجید یا علمِ دین پڑھا دے گا، تو اس صورت میں مہرِ مثل واجب ہو گا۔"
(صراط الجنان، جلد2، صفحہ175، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(2) یونہی اِرشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا﴾ ترجمۂ کنز العرفان: "اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو، پھر اگر وہ خوش دلی سے مہر میں سے تمہیں کچھ دے دیں، تو اسے پاکیزہ، خوشگوار (سمجھ کر) کھاؤ۔" (القرآن الکریم، پارہ4، سورۃ النساء، الایۃ4)

یہ آیتِ مبارکہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مہر کا مال ہونا ضروری ہے، چنانچہ اس کے تحت امام ابو بکر جَصَّاص رَحْمَةُاللهِ تَعَالٰی عَلَیْہِ لکھتے ہیں: "ویدل علی ان المهر حکمه ان یکون مالا قوله تعالیٰ: ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً۔الخ﴾ وذالک لان قوله تعالیٰ: ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ امر یقتضی ظاهره الایجاب ودل بفحواه علی ان المهر ینبغی ان یکون مالا من وجهین: احدهما: قوله تعالیٰ: ﴿وَاٰتُوا﴾ معناه اعطوا والاعطاء انما یکون فی الاعیان دون المنافع، اذ المنافع لا یتاتی فیها الاعطاء علی الحقیقة والثانی: قوله تعالی: ﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا﴾ وذالک لا یکون فی المنافع وانما هو فی الماکول او فیما یمکن صرفه بعد الاعطاء الی الماکول فدلت هذه الایة علی ان المنافع لا یکون مهراً" ترجمہ: اور مہر کا حکم یہ ہے کہ وہ مال ہو، اس بات پر یہ آیتِ قرآنی ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً۔الخ﴾ دلالت کرتی ہے، کیونکہ آیت کا پہلا جزء ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ امر ہے جس کا ظاہر ایجاب کا تقاضہ کرتا ہے اور یہ اپنے مفہوم کے لحاظ سے اس بات پر دالّ ہے کہ مہر مال ہی ہونا چاہیے، اس کی دو وجہیں ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَاٰتُوا﴾ اعطوا کے معنی میں ہے اور اِعطاء اَعیان یعنی چیزوں میں ہوتی ہے، فقط منافع میں نہیں، کیونکہ منافع میں حقیقی طور پر اعطاء نہیں پائی جاتی۔ اور دوسری وجہ آیت کا یہ جزء ہے: ﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا﴾ (کیونکہ مہر میں سے کچھ مرد کو واپس کرنا اور اس کا اسے کھانا) یہ فقط منافع میں نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ تو صرف کھائی جانے والی چیزوں یا جن چیزوں کو دے کر کھائی جانے والی چیزوں کا لینا ممکن ہو، اُنہی میں ہو سکتا ہے۔

(احکام القرآن للجصاص، باب المهور، صفحه 203، مطبوعه کراچی)

(3) قرآن مجید کی آیت مبارکہ ہے: ﴿وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِیْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ ترجمہ کنز العرفان: "اور اگر تم عورتوں کو انہیں چھونے سے پہلے طلاق دیدو اور تم ان کے لیے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے ہو، تو جتنا تم نے مقرر کیا تھا، اس کا آدھا واجب ہے۔

(القرآن الکریم، پارہ 2، سورۃ البقرہ، الایۃ 237)

بدائع الصنائع، محیطِ برہانی اور عامۂ کتب فقہ میں ہے، واللفظ للاول: "(ولنا) قوله تعالیٰ: ﴿وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا

وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ﴾شرط سبحانه وتعالى أن يكون المهر مالا وقوله تعالى ﴿فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ (البقرة: 237)أمر بتنصيف المفروض في الطلاق قبل الدخول فيقتضي كون المفروض محتملا للتنصيف وهو المال" ترجمہ: مہر کے مال ہونے کے متعلق ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:(اور ان عورتوں کے علاوہ سب تمہیں حلال ہیں کہ تم انہیں اپنے مالوں کے ذریعے نکاح کرنے کو تلاش کرو۔) اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مہر کا مال ہونا شرط بیان فرمایا۔ اور یہ فرمانِ باری تعالیٰ بھی دلیل ہے: ﴿فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾ اس لیے کہ اس آیت مبارکہ میں ہم بستری سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں بیان کیے گئے مہر کا نصف لازم ہونا بیان کیا گیا ہے، تو یہ آیت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ جو مہر مقرر کیا جائے وہ ایسا ہونا چاہیے جس میں تنصیف ہو سکتی ہو اور وہ مال ہے، (لہٰذا ثابت ہوا مہر کا مال ہونا ضروری ہے)۔

(بدائع الصنائع، کتاب النکاح، جلد3، صفحہ491، مطبوعہ کوئٹہ)

احادیث مبارکہ:

(1) مصنف ابن ابی شیبہ، سنن کبری للبیہقی، کنز العمال اور سنن دار قطنی میں ہے، واللفظ للآخر: "عن جابر أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا صداق دون عشرة دراهم" ترجمہ: حضرت سیدنا جابر رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: مہر دس درہم سے کم نہیں۔ **(سنن دار قطنی، جلد4، صفحہ358، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)**

(2) نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے اپنے عمل مبارک سے بھی یہی ثابت ہے کہ مہر مال ہی ہو سکتا ہے، چنانچہ نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے اپنی تمام ازواجِ مطہرات کے مہر میں مال ہی دیا، جیسا کہ صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ وغیرہا کتب احادیث میں ہے، واللفظ للاول: عن أبي سلمة بن عبد الرحمن أنه قال: سألت عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم: كم كان صداق رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قالت: كان صداقه لأزواجه ثنتي عشرة أوقية ونشا قالت: أتدري ما النش؟ قال: قلت: نصف أوقية، فتلك خمس مائة درهم فهذا صداق رسول الله صلى الله عليه وسلم لأزواجه" ترجمہ: حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ

صدیقہ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہَا سے پوچھا کہ نبی کریم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا مہر کتنا تھا، فرمایا آپ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا مہر اپنی بیویوں کے متعلق بارہ اوقیہ اور نَش تھا، بولیں کیا تم جانتے ہو کہ نَش کیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں! تو آپ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا: آدھا اوقیہ، تو یہ پانچ سو درہم ہوئے، یہ نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا اپنی ازواج مطہرات رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُنَّ کے لیے مہر تھا۔

(الصحیح لمسلم، کتاب النکاح، باب الصداق، جلد1، صفحہ458، مطبوعہ کراچی)

جزئیاتِ فقہ:

مہر کا مال ہونا ضروری ہے، یہ بات خود مہر کی تعریف سے بھی واضح ہوتی ہے، جیسا کہ نہر الفائق، رد المحتار اور عامۂ کتب فقہ میں ہے، واللفظ للاول: "اسم للمال الذي يجب في عقد النكاح على الزوج في مقابلة البضع إما بالتسمية أو بالعقد" ترجمہ: مہر اس مال کا نام ہے، جو عقدِ نکاح میں شوہر پر ملکِ بضع (حق زوجیت ملنے) کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، یاتو صراحتاً ذکر کرنے سے یا عقدِ نکاح سے ہی۔

(النہر الفائق شرح کنز الدقائق، کتاب النکاح، باب المہر، جلد2، صفحہ229، مطبوعہ دار الکتب العلمي، بیروت)

اور طاعت یعنی نیکی کے کاموں، مثلاً: تعلیمِ قرآن، تلاوت و نماز یا دُرود پاک وغیرہا کو مہر مقرر کرنا دُرست نہیں کہ یہ مال نہیں اور ایسی صورت میں مہر مثل لازم ہو گا، چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ اور علامہ ابنِ عابدین شامی دِمشقی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات: 1252ھ/1836ء) لکھتے ہیں: "يجب مهر المثل فيما لو تزوجها على أن يعلمها القرآن **أو نحوه من الطاعات لأن المسمى ليس بمال**" ترجمہ: اگر نکاح اس طور پر کیا کہ تعلیم قرآن یا کوئی اور نیکی کا کام (مثلاً دُرود پاک) مہر ہو گا، تو ایسی صورت میں مہر مثل لازم ہو گا، کیونکہ جو چیز مہر کے لیے ذکر کی گئی وہ مال نہیں۔

(ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المہر، جلد4، صفحہ229، مطبوعہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات: 1367ھ/1947ء) لکھتے ہیں: "جو چیز مالِ متقوم نہیں وہ مَہر نہیں ہو سکتی اور مہر مثل واجب ہو گا، مثلاً: مہر یہ ٹھہرا کہ آزاد شوہر عورت کی سال بھر تک خدمت کرے گا یا یہ کہ اسے قرآن مجید یا علمِ دین پڑھا دے گا یا حج و عمرہ کرا دے گا یا مسلمان مرد کا نکاح مسلمان عورت سے ہوا اور مہر میں خون یا شراب یا خنزیر کا ذکر آیا یا یہ کہ شوہر اپنی پہلی بی بی کو طلاق دے دے، تو ان سب صورتوں

میں مہرِ مثل واجب ہو گا۔" (بہارِ شریعت، مہر کابیان، جلد2، حصہ7، صفحہ65، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مہرِ مثل کی وضاحت کرتے ہوئے صدر الشریعہ عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ لکھتے ہیں: "عورت کے خاندان کی اُس جیسی عورت کا جو مہر ہو، وہ اُس کے لیے مہر مثل ہے، مثلاً: اس کی بہن، پھوپھی، چچا کی بیٹی وغیرہا کا مہر۔"

(بہارِ شریعت، جلد2، حصہ7، صفحہ71، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

احادیث کا جواب:

جہاں تک سوال میں ذکر کی گئی احادیث کا تعلق ہے، تو ان کا جواب درج ذیل ہے۔

(1) حضرت حواء رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہَا کے حق مہر میں حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کے دُرود پاک پڑھنے کی روایت کو ثابت مان بھی لیا جائے، تب بھی اسے حجت بنانا درست نہیں، جس کی چند وجوہات یہ ہیں: (ا) یہ روایت اُس درجہ کی نہیں کہ اس سے کسی حکمِ شرعی کا استنباط کیا جا سکے، کیونکہ کسی حدیث سے حکمِ شرعی ثابت ہونے کے لیے اس کا خاص درجے کی (کم از کم حسن لغیرہ) ہونا ضروری ہے، جس سے احکام ثابت ہوتے ہیں اور یہ روایت اس درجہ کی نہیں، لہٰذا اِس روایت سے دُرود پاک کو مہر بنانے کا حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔ (۲) یہ روایت سابقہ شریعتوں کے متعلق ہے اور سابقہ شریعتوں کی ایسی روایات جو ہماری شریعت کے ثابت شدہ احکام کے خلاف ہوں، وہ قابلِ عمل نہیں ہوتیں، لہٰذا دُرود پاک کو مہر مقرر کرنے کے متعلق اس روایت کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

(2) جہاں تک اُس روایت کا تعلق ہے جس میں ذکر ہے کہ ایک صحابیہ کا مہر تعلیمِ قرآن رکھا گیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسے بھی دلیل نہیں بنایا جا سکتا، کیونکہ وہ روایت خود محتمل ہے (جیسا کہ تفصیل ذیل میں آ رہی ہے) اور جو روایت خود محتمل ہو، اس پر قیاس کر کے کسی دوسرے حکم کا اِثبات نہیں کیا جا سکتا۔

تفصیل یہ ہے: روایت کا پسِ منظر: نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں ایک عورت نے حاضر ہو کر عرض کی، میں نے اپنی جان آپ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو ہبہ کر دی، پھر وہ ٹھہری رہی، تو ایک شخص نے عرض کی، اگر حضور کو ضرورت نہ ہو، تو اس کا نکاح مجھ سے کر دیجیے، تو نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: تمہارے پاس مہر دینے کو کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کی، میرے پاس اس تہبند کے سوا کچھ نہیں، فرمایا: اگر تم اپنا تہبند اسے دے دو گے، تو تم بغیر تہبند کے رہ جاؤ گے، لہٰذا کوئی اور چیز تلاش کرو، تو انہوں نے عرض کی! میرے پاس کچھ نہیں ہے، ارشاد فرمایا: مزید تلاش کرو، اگرچہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہی ہو، انہوں نے تلاش کیا،

مگر کچھ نہ ملا، تو رسول پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: کیا تمہیں قرآن یاد ہے ؟ عرض کی، جی ہاں ! فلاں فلاں سورت یاد ہے اور ان کے نام بیان کیے، تو نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ہم نے اِس عورت کا نکاح تمہارے ساتھ اس قرآن کے سبب کر دیا، جو تمہیں یاد ہے۔

حدیثِ پاک کے الفاظ یہ ہیں: ”عن سهل بن سعد قال: جاءت امرأة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: إني وهبت من نفسي، فقامت طويلا، فقال رجل: زوجنيها إن لم تكن لك بها حاجة، قال: هل عندك من شيء تصدقها؟ قال: ما عندي إلا إزاري، فقال: إن أعطيتها إياه جلست لا إزار لك، فالتمس شيئا فقال: ما أجد شيئافقال: التمس ولو خاتما من حديد فلم يجد، فقال: أمعك من القرآن شيء؟ قال: نعم، سورة كذا وسورة كذا، لسور سماها، فقال: زوجنا كها بما معك من القرآن ”مفہوم اوپر بیان ہو چکا۔

(الصحیح للبخاری، کتاب النکاح، باب السلطان ولی، جلد2، صفحہ 277، مطبوعہ لاہور)

علمائے کرام نے اس روایت کے متعلق بہت سے جوابات بیان کیے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱): حدیثِ پاک میں تعلیمِ قرآن کا ذکر ہی نہیں ہے، بلکہ قرآن کا ذکر ہے اور اس بات پر سب ائمہ کا اجماع ہے کہ قرآن کریم یا اس کی کسی سورت کو مہر نہیں بنایا جا سکتا، لہٰذا حدیث پاک میں "بما معک من القرآن" میں لفظ "ب" سبب کے لیے ہے، نہ کہ عوض کے لیے اور معنی یہ ہے کہ تمہارے سورتوں کو یاد کرنے کی برکت و عظمت کی وجہ سے میں نے تمہارا اس کے ساتھ نکاح کر دیا، اب سوال یہ ہے کہ کیا ان کا نکاح بغیر مہر کے ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں صرف اس بات کا بیان ہے کہ مہر ذکر نہیں کیا گیا، نہ یہ کہ مہر دیا ہی نہیں گیا، لہٰذا یا تو خود انہوں نے بعد میں مہر ادا کیا تھا یا نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے شفقت اور کرم نوازی فرماتے ہوئے خود ادا کر دیا تھا، جیسا کہ رمضان میں روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے ہم بستری کرنے والے شخص کا کفارہ ادا فرما دیا تھا، لہٰذا اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ یہ نکاح بغیر مہر کے ہوا تھا۔

(۲) اور اگر تعلیمِ قرآن کو ہی مہر مان لیا جائے، تو یہ حدیثِ پاک خبر واحد ہے، جب کہ اس کے مقابلے میں نصِ قرآنی موجود ہے اور اُصول یہ ہے کہ کتاب اللہ کے مطلق پر عمل ممکن ہو، تو خبرِ واحد کے ذریعے کتاب اللہ پر اضافہ جائز نہیں، اس لیے تعلیمِ قرآن کو مہر مقرر نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا جب مقیس علیہ یعنی تعلیمِ قرآن کا مہر بنانا

درست نہیں، تو اس پر قیاس کر کے کسی اور عمل، مثلاً: درودِ پاک کو مہر بنانا بدرجہ اولیٰ درست نہیں ہو گا۔

(۳) علمائے کرام نے ایک جواب یہ دیا کہ تعلیمِ قرآن کو مہر بنانے کی اجازت صرف اُنہی صاحب کے لیے تھی، ان کے بعد کسی اور کو جائز نہیں اور بالعموم وہی حکم ہے، جو قرآن وحدیث اور ائمۂ فقہ و حدیث کی عمومی تصریحات سے ثابت ہے اور اُصول یہ ہے کہ جو حکم کسی کی خصوصیت کے طور پر بیان ہوا ہو، اُس پر دیگر کو قیاس کرتے ہوئے عمومی حکم نہیں دیا جا سکتا، جس کی کثیر نظائر کتب میں موجود ہیں۔

جزئیات ملاحظہ کیجیے:

(1) حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلاۃُ وَ السَّلام کا حضرت حواء رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْھَا کے مہر میں دُرود پاک پڑھنے کے متعلق روایت اس درجہ کی نہیں کہ اس سے حکم شرعی ثابت ہو سکے، چنانچہ ثبوتِ احکام کے لیے کس درجہ کی روایت کا ہونا ضروری ہے، اس کا بیان کرتے ہوئے امامِ اہلِ سنّت رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ لکھتے ہیں: ”دوسرا درجہ احکام کا ہے کہ اُن کے لئے اگرچہ اُتنی قوّت درکار نہیں (جو عقائد کے لیے درکار ہے)، پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہ، خواہ لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم سے کم لغیرہ ہونا چاہیے، جمہور علماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے۔“

(فتاویٰ رضویہ، جلد5، صفحہ478، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

(۲) اور سابقہ اُمتوں کے احکام پر عمل کرنے کے متعلق اُصول یہ ہے کہ وہ شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ و السلام کے احکام کے خلاف نہ ہوں، لہٰذا سابقہ شریعتوں کی ایسی روایات جو ہماری شریعت کے ثابت شدہ احکام کے خلاف ہوں، وہ قابلِ عمل نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمۡ وَ یَہۡدِیَکُمۡ سُنَنَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ یَتُوۡبَ عَلَیۡکُمۡ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ﴾ ترجمہ کنز العرفان: ”اللہ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تمہارے لیے بیان کر دے اور تمہیں تم سے پہلے لوگوں کے طریقے بتادے اور تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ (القرآن الکریم، پارہ5، سورۃ النساء، الایۃ26)

مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ کے تحت صراط الجنان فی تفسیر القرآن میں ہے: ”اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ گزشتہ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے جو شرعی احکام قرآن یا حدیث میں تردید کے بغیر منقول ہوئے وہ ہمارے لئے بھی لائق عمل ہیں اور جو ممانعت کے ساتھ نقل ہوئے ان پر ہمیں عمل جائز نہیں۔“

(صراط الجنان، جلد2، صفحہ178، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

علمائے کرام نے ایک جواب یہ دیا کہ یہ معاملہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ خاص تھا، لہٰذا کسی اور کو ان پر قیاس نہیں کر سکتے، چنانچہ علامہ شمس الدین محمد عرفہ دسوقی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ "حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر" میں لکھتے ہیں: "لا یقال المهر لا بد أن یکون متمولا ، لأن الذي زوج حواء لآدم هو المولى، وهو یفعل ما یشاء ترجمہ: یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ مہر کا تو مال ہونا ضروری ہے، (پھر حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلام کا مہر درود پاک کیسے ہوا؟) کیونکہ جس ذات نے حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلام کا حضرت حواء رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہَا سے نکاح کروایا وہ مولیٰ تعالیٰ ہے اور وہ جیسے چاہے معاملہ فرمائے۔

(حاشیۃ الدسوقي علي الشرح الكبير، جلد 4، صفحہ 496، مطبوعہ دار الفکر)

دوسری روایت کے جوابات کے جزئیات:

(۱) شارِح بخاری، علامہ بدر الدین عینی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے تعلیم قرآن کے متعلق ذکر کی گئی روایت کے مختلف طُرق کے الفاظ ذکر کر کے سب کے جوابات بیان کیے، جس کا ماحاصل و خلاصہ آخری بات میں بیان کر دیا، چنانچہ عبارت یہ ہے: "وأجابوا عن قوله: قد زوّجنا کها بما معك من القرآن، أنه إن حمل على ظاهره یکون تزویجها على السورة لا على تعلیمها، فالسورة من القرآن لا تکون مهرا بالاجماع، فحینئذ یکون المعني: زوجتکها بسبب ما معك من القرآن وبحرمته وببرکته، فتکون الباء للسببیة... وهذا لا ینافي تسمیة المال... ویکون ذلك المهر مسکوتا عنه إما لأنه صلى الله علیه وسلم قد أصدق عنه کما کفّر عن الواطیء في رمضان إذ لم یکن عنده شيء... کل ذلك رفقا بأمته ورحمة لهم، أو یکون أبقى الصداق في ذمته وأنکحها نکاح تفویض، حتى یتفق له صداق، أو حتى یکسب بما معه من القرآن صداقا، **فعلى جمیع التقدیر لم یکن فیه حجة على جواز النکاح بغیر صداق من المال**" ترجمہ: علمائے کرام نے اس فرمان (قد زوجنا کها بما معك من القرآن) کا جواب یہ بیان کیا کہ اگر اس کو ظاہر پر محمول کریں، تو یہ قرآن کی ایک سورت کے بدلے نکاح کروانا ہو گا، نہ کہ تعلیمِ قرآن پر اور قرآن کی سورت بالاجماع مہر نہیں بن سکتی، لہٰذا حدیث پاک کا معنی یہ ہو گا کہ میں نے قرآن کی حرمت و برکت کے سبب تمہارا اس عورت کے ساتھ نکاح کر دیا، لہٰذا یہ (ب) سببیہ ہو گی... اور یہ بات مہر میں مال کا ذکر کرنے کے منافی بھی نہیں... اور اگر یہ کہا جائے کہ مہر کو ذکر نہیں کیا گیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو اس لیے کہ

نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے خود اس کا مہر ادا فرما دیا، جیسا کہ رمضان میں جماع کرنے والے کا کفارہ خود ادا فرمایا... یہ سب نبی پاک صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی اُمّت پر نرمی اور کرم نوازی کے سبب ہے یا پھر مراد یہ ہوگی کہ مہر اسی شخص کے ذمہ پر باقی رکھا گیا اور مہر اس عورت کو سپرد کرنے کی شرط پر نکاح کر دیا، یہاں تک کے دونوں میں مہر کے متعلق اتفاق ہو گیا یا مراد یہ ہے کہ جو قرآن تمہیں یاد ہے اس کے ذریعے مہر کما کر ادا کر دینا، **لہٰذا ہر صورت پر ہی حدیث میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ یہ نکاح بغیر مال کے ہوا تھا۔**

(عمدۃ القاری، کتاب الوکالۃ، جلد12، صفحہ201، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اِسی تفصیل کے ساتھ امام ابن الملک کرمانی حنفی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ اور علامہ علی قاری حنفی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے جوابات بیان کیے، مزید علامہ علی قاری رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ لکھتے ہیں: "(فقال: قد زوجتك بما معك من القرآن) قال الأشرف: الباء للسببية عند الحنفية وليست للبدلية والمقابلة أي زوجتكها بسبب ما معك من القرآن **والمعنى أن ما معك من القرآن سبب الاجتماع بينكما كما في تزوج أبي طلحة أم سليم على إسلامه، فان الاسلام صار سببا لاتصاله وحينئذ يكون المهر دينا،** (وفي رواية قال انطلق فقد زوجتك) أي: بما معك من القرآن (فعلمها من القرآن) ما معك وهذا أمر استحباب ولا دلالة فيه على أن التعليم مهر" ترجمہ: اس فرمان (قد زوجتك بما معك من القرآن) کے متعلق کِبار علمائے کرام فرماتے ہیں: احناف کے نزدیک اس میں (ب) سبب کے لیے ہے، عوض اور مقابلہ کے لیے نہیں یعنی تمہیں قرآن یاد ہونے کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا، یعنی تمہارا قرآن یاد کرنا تم دونوں کے اکھٹے ہونے کا سبب بن گیا، **جیسا کہ حضرت ابو طلحہ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ کے اسلام لانے کی شرط پر ان کا نکاح حضرت اُمِّ سُلیم رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہا کے ساتھ ہوا، کیونکہ ان کا اسلام لانا ان کے نکاح کا سبب بنا اور (چونکہ قبولِ اسلام کو مہر مقرر نہیں کیا جا سکتا، اس لیے) اُس وقت مہر اُن کے ذِمّہ پر دَیْن تھا،** ایک روایت میں بیان کیا گیا: جاؤ میں نے تمہارا نکاح کر دیا اس کے سبب جو قرآن تمہیں یاد ہے، تو اب اس کو قرآن سِکھاؤ، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تعلیم قرآن کا حکم صرف استحبابی تھا اور اس میں بھی ایسی کوئی دلالت نہیں ہے کہ تعلیمِ قرآن کو مہر مقرر کیا گیا تھا۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب النکاح، باب الصداق، جلد6، صفحہ328، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۲) تعلیم قرآن ہی مراد ہو، تو یہ روایت خبر واحد ہے، جس کی وجہ سے نص قرآن ترک نہیں کی جا سکتی،

چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (سالِ وفات:587ھ/1191ء) لکھتے ہیں:" وأما الحديث فهو في حد الآحاد ولا يترك نص الكتاب بخبر الواحد مع ما أن ظاهره متروك، لأن السورة من القرآن لا تكون مهرا بالاجماع، وليس فيه ذكر تعليم القرآن ولا ما يدل عليه، ثم تأويلها زوجتكها بسبب ما معك من القرآن وبحرمته وبركته لا أنه كان ذلك النكاح بغير تسمية مال "ترجمہ: بہر حال حدیثِ پاک ، تو وہ خبر واحد ہے اور خبر واحد کی وجہ سے نصِ قرآنی کو ترک نہیں کیا جاسکتا، باوجود اس کے کہ اس روایت کا ظاہر بھی متروک ہے، کیونکہ قرآن کی سورت بالاجماع مہر نہیں بن سکتی اور حدیث پاک میں تعلیمِ قرآن کا ذکر نہیں اور نہ ہی اس مراد پر دلالت کرنے والی کوئی بات حدیث میں موجود ہے، لہٰذا یہ حدیث مؤول ہے اور تاویل یہ ہے کہ میں نے تمہارے قرآن یاد کرنے اور اس کی حرمت و برکت کی وجہ سے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا، لہٰذا ایسا نہیں ہے کہ یہ نکاح مہر میں مال بیان کیے بغیر ہی ہو گیا۔

(بدائع الصنائع، کتاب النکاح، جلد3، صفحہ491، مطبوعہ کوئٹہ)

خبرِ واحد کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں، جیسا کہ اُصول الشاشی میں ہے:" أن المطلق من كتاب الله تعالى إذا أمكن العمل بإطلاقه فالزيادة عليه بخبر الواحد والقياس لا يجوز "ترجمہ: جب کتاب اللہ کے مطلق پر عمل کرنا، ممکن ہو، تو خبرِ واحد اور قیاس کے ذریعے اس پر زیادتی کرنا، جائز نہیں۔

(أصول الشاشی، صفحہ15، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(۳) تعلیمِ قرآن کو ہی مہر مانا جائے، تو پھر یہ صرف ان صحابی کی خصوصیت شمار ہو گی، جیسا کہ علامہ عینی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے نقل کیا:" وإنما جاز لذلك الرجل خاصة "ترجمہ: (علماء نے ایک جواب یہ دیا کہ) تعلیمِ قرآن کو مہر مقرر کرنا خاص اُسی شخص کے لیے جائز تھا، (لہٰذا کسی اور کو ان پر قیاس کرنا، جائز نہیں)۔

(عمدۃ القاری، کتاب الوکالۃ، باب وکالہ، جلد12، صفحہ201، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

واللہ اعلم عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

03جمادی الاولیٰ1444ھ/28نومبر2022ء

ریفرنس نمبر pin-6990 تاریخ: 18-06-2022

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ (1) شادی بیاہ کے موقع پر ڈھول بجانا، گانے گانا، ڈیک پر میوزک چلانا، آتش بازی کرنا کیسا؟

(2) نیز شادی کی ایسی تقریب میں عزیز و اَقارب و دوست اَحباب کا شرکت کرنا کیسا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق و الصواب

(1) شادی بیاہ یا اس کے علاوہ کسی بھی موقع پر لہو و لعب کے طور پر ڈھول بجانا، یونہی گانے گانا، ڈیک وغیرہ پر میوزک چلانا، آتش بازی کرنا اور اجنبی مَردوں عورتوں کا اختلاط سخت ناجائز و حرام اور اللہ عزوجل کی شدید نافرمانی والے کام ہیں۔ نکاح اور ولیمہ نہ صرف سنت ہے، بلکہ انسان کے فطری تقاضوں کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ بہت بڑی نعمت بھی ہے، اس نعمت کی قدر کرتے ہوئے ہمیں چاہئے کہ نکاح اور شادی کے تمام تر معاملات کو اسلامی طریقہ کار کے مطابق سرانجام دیں اور ہر اس چیز سے بچیں، جس سے اسلام نے منع کیا ہے۔ مگر آج کل نکاح اور شادی کے موقع پر غیر شرعی و غیر اخلاقی رسمیں اور پابندیاں دن بدن بڑھتی ہی چلی جارہی ہیں، گویا انہیں گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا، حالانکہ یہ تمام کام سخت ناجائز و حرام ہیں اور یہ بات بھی یاد رہے کہ فی زمانہ گھریلو لڑائی جھگڑوں اور طلاق کی دن بدن بڑھتی ہوئی شرح کا ایک سبب ان گناہوں کی نحوست بھی ہے، لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ شادی کے موقع پر ہونے والی غیر شرعی و غیر اخلاقی رسموں اور پابندیوں کو ختم کریں اور علمائے کرام

سے شرعی رہنمائی لے کر تقریب کے تمام تر معاملات سر انجام دیں، تاکہ نکاح جیسی عظیم سنت کی حقیقی برکتیں حاصل ہو سکیں۔

ذیل میں قرآنی آیات واحادیث اور اقوالِ علماء وفقہاء ملاحظہ کرنے سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ ان اُمور سے کس قدر سختی سے منع فرمایا گیا ہے:

ڈھول کی حُرمت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ان اللہ حرم علیکم الخمر والمیسر والکوبۃ وقال کل مسکر حرام" ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوا اور کوبہ (ڈھول) حرام کیا اور فرمایا: ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔ (سنن الکبری للبیھقی، کتاب الشھادات، جلد10، صفحہ360، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اپنی تقریبوں میں ڈھول جس طرح فساق میں رائج ہے بجوانا، ناچ کرانا حرام ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد23، صفحہ98، رضافاؤنڈیشن، لاھور)

ایک اور مقام پر فرمایا: "ڈھول بجانا حرام ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد24، صفحہ491، رضافاؤنڈیشن، لاھور)

ناچ گانے کی حُرمت:

خوشی کے موقع پر باجے کی آواز کو دنیا و آخرت میں ملعون قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ مسند بزار میں ہے: "صوتان ملعونان في الدنيا والآخرة، مزمار عند نعمة، ورنة عند مصيبة" ترجمہ: دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں، نعمت کے وقت باجے کی آواز، اور مصیبت کے وقت رونے کی آواز۔

(مسندبزار، مسندابی حمزہ انس بن مالک، جلد14، صفحہ62، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینۃ المنورہ)

اور گانوں کے متعلق سنن ابی داوٗد و شعب الایمان میں ہے: "الغناء ینبت النفاق فی القلب، کما ینبت الماء الزرع" ترجمہ: گانا دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے، جیسے پانی کھیتی کو اُگاتا ہے۔

(شعب الایمان، جلد7، صفحہ108، مطبوعہ ریاض)

فتاوی امجدیہ میں ہے: "ڈھولک بجانا، ناجائز ہے، یوہیں عورتوں کا اس طرح گانا کہ نامحرم کو آواز پہنچے اور وہ بھی

تالیاں بجاکر، حرام ہے اور اس کا قصداً سننا بھی حرام ہے اور ایسی مجلس میں شرکت کا بھی یہی حکم ہے۔"

(فتاوی امجدیہ، حصہ4، صفحہ44، مکتبہ رضویہ، کراچی)

اجنبی مَردوں وعورتوں کے اختلاط کی حرمت:

شریعت نے مَرد وعورت دونوں کو پردے کا تاکیدی حکم دیا، اور بے پردگی سے منع فرمایا، چنانچہ قرآن پاک میں ہے: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ ترجمہ کنز الایمان: "مسلمان مَردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے بہت ستھرا ہے، بیشک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے، اور مسلمان عورتوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں، مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے۔" (پارہ18، سورۃالنور، آیت30،31)

فتاوی رضویہ میں ہے: "(لڑکیوں کا) اجنبی نوجوان لڑکوں کے سامنے بے پردہ رہنا بھی حرام،۔۔۔ اور جو اپنی لڑکیوں کو ایسی جگہ بھیجتے ہیں، بے حیا بے غیرت ہیں، ان پر اطلاقِ دیوث ہو سکتا ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد23، صفحہ690، رضافاؤنڈیشن، لاھور)

ایک اور مقام پر فرمایا: "بے پردہ بایں معنی کہ جن اعضاء کا چھپانا فرض ہے، ان میں سے کچھ کھلا ہو، جیسے سر کے بالوں کا کچھ حصہ یا گلے یا کلائی یا پیٹ یا پنڈلی کا کوئی جز، تو اس طور پر تو عورت کو غیر مَحرَم کے سامنے جانا مطلقاً حرام ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد22، صفحہ239تا240، رضافاؤنڈیشن، لاھور)

آتش بازی کے متعلق جزئیات:

مروجہ آتش بازی جو شادی بیاہ، شب برات وغیرہ مواقع پر کی جاتی ہے، حرام اور مال کا ضیاع ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ مال ضائع کرنے سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَكَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ ترجمہ: "کسی طرح بے جا خرچ نہ کرو، کیونکہ بے جا خرچ کرنے والے شیاطین کے بھائی ہوتے ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار کا بہت بڑا ناشکرا ہے۔"

(پارہ15، سورہ بنی اسرائیل، آیت26،27)

فتاوی رضویہ میں ہے:"آتش بازی جس طرح شادیوں اور شب برات میں رائج ہے، بیشک حرام اور پورا جرم ہے کہ اس میں تضییع مال ہے، قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو شیطان کا بھائی فرمایا۔(پھر مذکورہ آیت پاک ذکر کرنے کے بعد فرمایا:) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:" ان اللہ تعالی کرہ لکم ثلثا قیل و قال و اضاعۃ المال و کثرۃ السوال "ترجمہ: بے شک اللہ تعالی نے تمہارے لیے تین کاموں کو ناپسند فرمایا:(1) فضول باتیں کرنا(2) مال کو ضائع کرنا(3) بہت زیادہ سوال کرنا اور مانگنا۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی" ماثبت بالسنۃ "میں فرماتے ہیں:" من البدع الشنیعۃ ما تعارف الناس فی اکثر بلاد الھند من اجتماعھم للھو واللعب بالنار، واحراق الکبریت، مختصرا" ترجمہ: بُری بدعات میں سے یہ اعمال ہیں جو ہندوستان کے زیادہ تر شہروں میں متعارف اور رائج ہیں، جیسے آگ کے ساتھ کھیلنا اور تماشہ کرنے کے لیے جمع ہونا، گندھک جلانا وغیرہ۔"

(ملخصاً از فتاوی رضویہ، جلد 23، صفحہ 279 تا 280، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

پھر ایسے مواقع پر لوگوں کی ایک تعداد جمع ہوتی ہے اور اس وقت آتش بازی بسا اوقات جانی ومالی نقصان کا باعث بھی بنتی ہے اور یہ اپنے آپ کو ہلاکت والے کاموں میں ڈالنا ہے، جس کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾ ترجمہ: اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

(پارہ 2، سورۃ البقرہ، آیت 195)

اس آیت کریمہ کے تحت نور العرفان میں ہے:"معلوم ہوا کہ ہلاکت کے اسباب سے بھی بچنا فرض ہے۔"

(نور العرفان، صفحہ 37، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

اسی کے ساتھ آتش بازی قانونی طور پر بھی جرم ہے اور قانونی جرم کا اِرتِکاب شرعاً بھی درست نہیں۔ فتاوی رضویہ میں ہی ہے:"کسی ایسے امر کا ارتکاب جو قانوناً ناجائز ہو، اور جرم کی حد تک پہنچے، شرعاً بھی ناجائز ہوگا، کہ ایسی بات کے لئے جرم قانونی کا مرتکب ہو کر اپنے آپ کو سزا اور ذلت کے لئے پیش کرنا شرعاً بھی روا نہیں، قال تعالیٰ: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 20، صفحہ 192، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

(2) ایسی شادی جس میں ناجائز اُمور کا اِرتِکاب ہو، اس میں شرکت کرنے کے متعلق مختلف صورتیں بنتی ہیں،

جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) ایسی دعوت پہ جانے والا شخص اگر جانتا ہے کہ وہاں نہ جانے سے ان لوگوں کو نصیحت ہوگی اور میری خاطر وہ حرام کام ترک کر دیں گے، تو اس پر لازم ہے کہ وہ جانے سے انکار کرے، تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور ایسی حرکتوں سے باز آئیں۔

(۲) اگر معلوم ہو کہ میرے شرکت کرنے کی وجہ سے وہ حرام کام نہیں کر سکیں گے، تو جانے میں کوئی بڑا حرج نہ ہو، تو اس پر لازم ہے کہ وہ دعوت میں شرکت کرے، تاکہ لوگ اس سے رُکے رہیں اور یہ شرکت اس کے لیے عظیم ثواب کا باعث ہے۔

(۳) اگر جانے والے کو علم ہے کہ خاص دعوت والی جگہ ناجائز کام ہوں گے اور اس کے جانے نہ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور منع کرنا کار آمد ثابت نہ ہو، تو ایسی صورت میں وہاں جانا ہی جائز نہیں۔

(۴) جس جگہ دعوت پر بلایا گیا ہے، حرام کام اس کے علاوہ دوسرے مقام پر ہو رہے ہوں، تو پھر دعوت والی جگہ پر جاسکتے ہیں اور بیٹھ سکتے ہیں، لیکن اگر بندے کی شخصیت ایسی ہو کہ وہاں جانے پر بھی لوگوں کی طرف سے متہم ہونے کا اندیشہ ہو، مثلاً شرکت کرنے والا عالم دین اور مقتدا و پیشوا ہے، شرعی رخصت پر عمل کے باوجود لوگ طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں گے، تو تہمت سے بچنے اور غیبت کا دروازہ بند کرنے کے لیے ایسے افراد کو شرکت سے بچنے کا حکم ہو گا۔

شرکت نہ کرنے سے گناہ رُک سکتے ہیں، تو شرکت نہ کرنا لازم ہے۔ چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے: ”رجل اتخذ ضیافة للقرابة أو ولیمة أو اتخذ مجلسا لأهل الفساد فدعا رجلا صالحا إلى الولیمة قالوا إن كان هذا الرجل بحال لو امتنع عن الإجابة منعهم عن فسقهم لا تباح له الإجابة بل یجب علیه أن لا یجیب لأنه نهی عن المنكر“ ترجمہ: ایک شخص نے اپنے رشتہ داروں کے لیے عام دعوت طعام یا دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا اور ساتھ ہی فسادیوں کے لیے (کھیل تماشے لہو و لعب کی) مجلس بھی آراستہ کی اور ایک نیک شخص کو بھی دعوت نامہ بھیجا۔ ائمہ کرام فرماتے ہیں: اگر اس شخص کا مقام ان کے نزدیک اتنا ہو کہ اگر وہ دعوت قبول کرنے سے منع کر دے گا، تو وہ اپنے فسق بھرے کاموں سے باز آجائیں گے، تو اس کے لیے اس دعوت کو قبول کرنا مباح نہیں،

بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ دعوت کو قبول نہ کرے، کیونکہ یہ گناہ سے روکنا ہے۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب الکراھیۃ، الباب الثانی عشر، جلد5، صفحہ343، دار الفکر، بیروت)

شرکت کرنے سے گناہ رُک سکتے ہیں، تو شرکت کرنا لازم ہے۔ چنانچہ حاشیہ شلبی میں ہے: "إن علم قبل الدخول إن كان محترما يعلم أنه لو دخل عليهم يتركون ذلك احتراما له فعليه أن يذهب لأن فيه ترك المعصية والنهي عن المنكر" یعنی اگر دعوت میں جانے سے پہلے معلوم ہو جائے کہ وہاں پر خلافِ شرع اُمور ہوں گے اور وہ محترم شخصیت ہے کہ اسے پتہ ہے اگر وہ ان کے پاس جائے گا، تو وہ لوگ اس کے احترام کی وجہ سے گناہ کے کاموں کو ترک کر دیں گے، تو اس پر لازم ہے کہ وہ جائے، کیونکہ یہ معصیت کا ترک اور نہی عن المنکر ہے۔

(حاشیہ شلبی مع تبیین الحقائق، کتاب الکراھیۃ، جلد6، صفحہ13، مطبوعہ قاھرہ)

ایسی دعوتوں میں شرکت کے متعلق تفصیلی رہنمائی کرتے ہوئے امام اہلسنت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (اوپر جزئیات میں بیان کردہ دو صورتوں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا): "اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں، تو اگر جانتا ہے کہ جہاں کھانا کھلایا جائے گا، وہیں منکرات شرعیہ ہوں گے اور برات والے کا وعدہ محض حیلہ ہی حیلہ ہے، تو ہر گز نہ جائے۔۔۔ اور اگر واقعی ایسا ہی ہے کہ نفسِ دعوت منکرات سے خالی ہو گی، اگرچہ دوسرے مکان میں لوگ مشغول گناہ ہوں تو شرکت میں کوئی حرج نہیں۔ قال اللہ تعالی: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ مگر عالم اگر جانے کہ میری اتنی شرکت پر بھی عوام مجھے متہم و مطعون کریں گے، تو نہ جائے کہ مواقع تہمت سے بچنا چاہیے اور مسلمانوں پر فتح باب غیبت ممنوع ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد21، صفحہ611، 609، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

18ذو القعدۃ الحرام1443ھ/18جون2022ء

کیا مخصوص ایام میں لڑکی کا نکاح ہو جائے گا؟

مجیب: ابو محمد مفتی علی اصغر عطاری مدنی

فتوی نمبر: Nor-13137

تاریخ اجراء: 10 جمادی الاولیٰ 1445ھ / 25 نومبر 2023ء

دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ لڑکی کے مخصوص ایام چل رہے ہوں، تو کیا اس کا نکاح ہو جائے گا؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جس لڑکی کے مخصوص ایام چل رہے ہوں، اس کا عقدِ نکاح جائز ہے، البتہ اس حالت میں ازدواجی تعلقات قائم کرنا، جائز نہیں کہ حیض و نفاس میں شوہر کے لئے عورت کے ناف سے گھٹنے تک کے حصے کو اپنے کسی بھی عضو سے بلا حائل چھونا، چاہے شہوت سے ہو یا بغیر شہوت کے ہو، بہر صورت ناجائز و گناہ ہے۔ ہاں! ناف سے گھٹنے تک کے حصے کو ایسے کسی حائل سے چھونا، جائز ہے کہ بدن کی گرمی محسوس نہ ہو، یونہی ناف سے اوپر اور گھٹنے سے نیچے چھونے میں حرج نہیں۔

حیض و نفاس میں نکاح جائز ہے۔ جیسا کہ فتاوی شامی ہے: "أما نحو **الحیض** والنفاس والإحرام والظهار قبل التكفير فهو مانع من حل الوطء **لا من محلية العقد** فافهم "یعنی حیض و نفاس، احرام اور کفارہ دینے سے قبل ظہار، یہ سب باتیں وطی حلال ہونے سے تو مانع ہیں لیکن عقدِ نکاح کے محل ہونے سے مانع نہیں تو اچھی طرح سمجھ لو۔ (رد المحتار مع الدر المختار، کتاب النکاح، ج 03، ص 4، مطبوعہ بیروت)

حیض و نفاس میں جماع حرام ہونے سے متعلق بدائع الصنائع ہے: "یحرم القربان فی حالتی الحیض والنفاس" یعنی حیض و نفاس کی حالت میں جماع حرام ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب الطہارۃ، ج 01، ص 44، دار الکتب العلمیہ)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

وقتِ نکاح دولہا، دلہن سے کلمے سُننا کیسا؟

مجیب: مولانا نوید چشتی صاحب زید مجدہ

مصدق: مفتی قاسم صاحب مدظلہ العالی

تاریخ اجراء: ماہنامہ فیضان مدینہ اکتوبر/نومبر 2018

دَارُالاِفْتَاء اَہلسُنَّت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ نکاح کے وقت کسی دولہا یا دلہن سے کلمے نہ سُنے جائیں یا دو تین سے زیادہ وہ کلمے نہ سُنا سکے تو نکاح میں کوئی فرق پڑے گا یا نہیں؟ وضاحت فرمادیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

نکاح میں کلمے پڑھنا لازم یا شرط نہیں ہے یعنی یہ سمجھنا کہ اگر کلمے نہیں پڑھیں گے تو نکاح منعقد ہی نہ ہوگا، یہ شرعاً درست نہیں، کیونکہ دو مسلمانوں کا نکاح گواہوں (دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں) کی موجودگی میں ایجاب و قبول کرنے سے ہو جاتا ہے، اس میں کلمے پڑھنا شرط نہیں۔ البتہ نکاح کے وقت کلمے پڑھنا مستحسن عمل ہے کہ ان کلمات میں اللہ و رسول عَزَّوَجَلَّ و صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم کا ذکر ہے، اور ان کا ذکر نزولِ برکات کا سبب، خصوصاً اس اہم موقع پر ویسے ہی حصولِ برکت و سلامتی کے لئے کثرت سے ذکر کرنا مناسب ہے کہ اب سے دونوں کی نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے، اور اس کا آغاز اللہ و رسول عَزَّوَجَلَّ و صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم کے بابرکت نام سے کرنا نیک فال ہے۔

اس کے علاوہ نکاح کے موقع پر کلمے پڑھنے کا ایک مقصد توبہ و تجدیدِ ایمان کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ خیال رہے کہ اگر دولہا کو کلمے یاد ہیں اور بھرے مجمع میں وہ پڑھ سکتا ہے تو پڑھ دے ورنہ بھری محفل میں اس کو شرمندگی سے بچانے کے لئے نکاح خواں اسے پڑھاتا جائے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

میاں بیوی میں ایک سال تک جدائی رہی کیا اب نکاح دوبارہ کرنا ہوگا؟

مجیب: مفتی قاسم صاحب مدظلہ العالی

فتوی نمبر: Pin:4823

تاریخ اجراء: 08محرم الحرام1438ھ/10اکتوبر2016ء

دَارُالاِفْتَاء اَہلسُنَّت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ میری زوجہ گھریلوناچاقیوں کی وجہ سے میکے چلی گئی، سسرال والوں کی طرف سے کچھ شرائط ہمیں منظور نہیں تھی، جس وجہ سے تقریباایک سال ہم نے بالکل رابطہ نہیں کیا، نہ ان کی طرف سے رابطہ ہوا، اب خاندان کے بعض بڑے افراد نے صلح صفائی کروادی ہے، اس صورت میں اکٹھا رہنے کے لئے کیادوبارہ سے نکاح کرنا پڑے گا؟ جبکہ میں نے اب تک کوئی طلاق نہیں دی، نہ زبانی نہ تحریری، اس جھگڑے میں بھی نہیں دی کیونکہ مجھے امید تھی کہ معاملات طے ہو جائیں گے۔

سائل: منظور احمد (راولپنڈی)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

صورتِ مسئولہ میں اگرواقعی آپ نے کوئی طلاق نہیں دی، نہ کوئی اور مانع (مثلاً ایلا وغیرہ) موجود ہو، تو اکٹھے رہنے کے لئے دوبارہ نکاح کرنے کی حاجت نہیں، سابقہ نکاح کافی ہے، کیونکہ زوجین کا فقط ایک دوسرے سے دور رہنا یارابطہ منقطع کردینا، نکاح ٹوٹنے کا سبب نہیں۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کیا بیوی سے تین ماہ دور رہنے سے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے؟

مجیب: مولانا جمیل صاحب زید مجدہ

مصدق: مفتی فضیل صاحب مدظلہ العالی

فتوی نمبر: Fmd:0076

تاریخ اجراء: 28ذی الحجۃ 1437ھ/01اکتوبر 2016ء

دَارُالاِفْتَاءاَہْلسُنَّت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ بیوی لڑائی کے دوران بدتمیزی بہت کرتی تھی جس پر میں نے غصے میں کہا کہ میں تمہارے اس طرح کی بدتمیزی سے تنگ آگیا ہوں بہتر یہ ہے کہ تم کو قسم ہے تم میرے کمرے میں نہ آنا اور تمہاری تمام لڑائی کا جواب میرے پاس یہ ہے کہ تم آج سے تین ماہ 13 دن تک میرے سے ملاقات کرنے کی نہ سوچنا۔ تین ماہ 13 دن کے بعد دیکھوں گا۔ اس بات کو ایک ہفتہ گزرا ہے اور اس دن سے آج تک میں اپنے کمرے میں بیوی کو آنے نہیں دے رہا اور وہ مسلسل مجھ سے معافی طلب کررہی ہے۔ اب مجھے فتوے کی روشنی میں اس کا حل بتائیے کہ آیا میں بیوی کو اپنے کمرے میں آنے دوں یا نہیں اور کیا اس سے نکاح وغیرہ پر کچھ اثر پڑے گا یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں کسی طور پر طلاق واقع نہیں ہوئی اسی طرح 3 ماہ 13 دن تک اگر آپ اپنی بیوی کو اپنے کمرے میں آنے نہ دیں تو اس سے بھی کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ یونہی کسی پر قسم ڈالی جائے اور وہ اس قسم کو اپنے اوپر لازم نہ کرے تو اس سے قسم منعقد نہیں ہوتی چنانچہ اگر آپ کے ان الفاظ " تم کو قسم ہے تم میرے کمرے میں نہ آنا سے بقول آپ کے کہ آپ کی بیوی نے قسم اپنے اوپر لازم نہیں کی تھی تو ان پر کسی طرح کی قسم لازم نہیں ہوئی لہٰذا وہ آپ کے کمرے میں آجائیں تو قسم کا کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا۔

اور عورت کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کا حق پہچانے اور شوہر کی دلآزاری سے باز آئے اور شوہر سے معافی مانگنے کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں بھی سچی توبہ واستغفار کرے۔ بہرحال جب تکلیف پہنچانے والا شرمندہ ہو جائے اور دوسرے کے پاس معافی کے لئے آئے تو اس کو فراخ دلی کے ساتھ معاف کرنا چاہئے کہ معاف کرنے کی دنیا و آخرت میں بڑی برکتیں وفضیلتیں ہیں۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

بلاوجہ بیوی اور بچوں کا نان ونفقہ ادا نہ کرنا

مجیب: عبدہ المذنب محمد نوید چشتی عفی عنہ

فتوی نمبر: WAT-1084

تاریخ اجراء: 19 صفر المظفر 1444ھ/16 ستمبر 2022ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

اگر کوئی شخص اپنی بیوی اور بچوں کا نان نفقہ ادا نہ کرے حتی کہ بیوی اپنے تمام اخراجات پورے کرنے کے لیے مکمل طور پر اپنے والدین اور بہن بھائیوں پر منحصر ہو، اور یہ سلسلہ کئی سالوں سے جاری ہے، خاندان کے بڑے افراد کی مداخلت کے باوجود شوہر نفقہ نہ دے اور صورتحال بگڑتی جا رہی ہو تو بیوی کے لیے کیا حکم ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں مذکورہ شخص اپنی بیوی اور بچوں کا نان نفقہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے سخت گناہ گار ہے کہ صحیح مسلم شریف میں حدیث پاک ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ "آدمی کو گنہگار ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ جس کا کھانا اس کے ذمہ ہو، اُسے کھانے کو نہ دے۔"

اس شخص پر لازم ہے کہ اپنے اس گناہ سے توبہ کرے اور اپنے بیوی بچوں کا نان نفقہ پورا کرے، اگر وہ کسی بھی طرح نان نفقہ پورا کرنے پر راضی نہیں ہے تو اس پر لازم ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے، یوں معلق نہ چھوڑے، اور اگر بیوی شوہر کی طرف سے نان نفقہ نہ ملنے کی وجہ سے اس کے ساتھ مزید زندگی نہیں گزار سکتی تو بیوی کے لیے بھی طلاق کا مطالبہ کرنا، جائز ہے، البتہ طلاق کا مطالبہ کرنے سے پہلے بیوی کو چاہیے کہ اپنے خاندان کے بڑے افراد والدین وغیرہ سے مشورہ کر لے اور ان کے مشورے کے مطابق عمل کرے۔

سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ رضویہ میں ایک مسئلے کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "جب نکاح باقی ہے، تو اس صورت میں زید پر فرض ہے کہ یا تو اسے طلاق دے دے یا اس کے نان نفقہ کی خبر گیری کرے، ورنہ یوں معلق رکھنے میں زید بے شک گنہگار ہے اور صریح حکمِ قرآن کا خلاف کرنے والا۔ قرآن پاک میں ہے ﴿فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ ترجمہ کنزالایمان: "تو یہ تو نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ کہ دوسری کو اَدھر میں لٹکتی چھوڑ دو۔" (فتاوی رضویہ، جلد 13، صفحہ 435، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُه اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

بیوی مہر معاف کردے تو؟

مجیب: مفتی فضیل صاحب مدظلہ العالی

تاریخ اجراء: ماہنامہ فیضان مدینہ ستمبر/اکتوبر 2018

دَارُالاِفْتَاءاَہْلسُنَّت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ نکاح کے وقت جو مہر مقرر ہوا تھا اگر عورت اپنی رضامندی سے اُسے معاف کردے تو کیا اس طرح حق مہر معاف ہو جاتا ہے ؟ اور پھر عورت بعد از طلاق اس کا مطالبہ کرسکتی ہے ؟

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

اگر عورت بغیر کسی دباؤ کے اپنی خوشی سے اپنا مہر معاف کردے اور شوہر مہر کی معافی کو ردّ نہ کرے بلکہ قبول کرلے یا بس خاموش ہی رہے تو مہر معاف ہو جاتا ہے اور اب بیوی اس مہر کا مطالبہ نہیں کرسکتی نہ طلاق سے پہلے اور نہ ہی طلاق کے بعد۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُه اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

دلہا دلہن کے والد اور بھائی کا نکاح کے اندر گواہ بننا

مجیب: مولانا محمد علی عطاری مدنی

فتوی نمبر: WAT-2508

تاریخ اجراء: 17 شعبان المعظم 1445ھ / 28 فروری 2024ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

دلہا دلہن کے والد نکاح کے اندر گواہ بن سکتے ہیں اور کیا بھائی بھی گواہ بن سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

نکاح کے گواہوں کے اوصاف میں سے ہے کہ وہ دو عاقل بالغ مرد ہوں یا ایک عاقل بالغ مرد اور دو عاقلہ بالغہ عورتیں ہوں۔ گواہ بننے کے لئے گواہوں کا غیر محرم ہونا ضروری نہیں، لہذا دلہا دلہن کے والد اور بھائی بھی (دیگر شرائط کی موجودگی میں) نکاح کے گواہ بن سکتے ہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے "وینعقد بحضور من لا تقبل شهادته له أصلا كما إذا تزوج امرأة بشهادة ابنيه منها" ترجمہ: ان گواہوں کی موجودگی میں بھی نکاح منعقد ہو جائے گا جن کی گواہی اس کے حق میں اصلاً قبول نہیں مثلاً کسی نے عورت سے شادی کی اپنے اس بیٹے کو گواہ بنا کر جو اس عورت کا بھی بیٹا ہے تو بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔

(فتاوی ھندیة، کتاب النکاح، ج 1، ص 267، دار الفکر، بیروت)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

زانیہ بیوی سے متعلق حکم

مجیب: مولانا نوید چشتی زید مجدہ

مصدق: مفتی قاسم صاحب مدظلہ العالی

فتوی نمبر: Pin:4854

تاریخ اجراء: 08 محرم الحرام 1438ھ/10 اکتوبر 2016ء

دَارُالاِفْتَاء اَہْلسُنَّت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شادی شدہ عورت سے زنا کا ارتکاب ہوا، کچھ عرصہ بعد شوہر کو اس کا علم ہوا، عورت نے توبہ کرلی اور شوہر سے معافی بھی مانگ لی، اب آپ شریعت کے مطابق ارشاد فرمائیں کہ اس عورت کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ نیز شوہر عورت کو معاف کرنے کے لیے تیار ہے کیا وہ اسے معاف کر سکتا ہے؟ اور اس معاف کرنے کی وجہ سے شرعاً وہ گناہگار تو نہیں ہوگا؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

شادی شدہ مرد و عورت اگر زنا کریں اور وہ ثابت ہو جائے تو اس کی سزا شریعت کی طرف سے رجم ہے یعنی دونوں کو سنگسار کیا جائے لیکن یہ حکومت اسلامیہ کا کام ہے عوام کو اس کی اجازت نہیں، اور آج کل حکومت کی طرف سے بھی ان حدود پر عمل نہیں، اور زانی و زانیہ پر توبہ بہر حال فرض ہے تو وہ توبہ و استغفار کریں، گڑگڑا کر اللہ تعالی سے معافی مانگیں اور صدقہ و خیرات کرتے رہیں کہ یہ توبہ میں معاون و مددگار ہوگا۔

صورت مسئولہ میں شوہر پر عورت کو اس کے اس فعل کی وجہ سے طلاق دینا واجب نہیں یعنی اس حرکت کے باوجود بھی اگر وہ زوجہ کو طلاق نہیں دیتا تو اس پر کوئی گناہ نہیں، ہاں اگر طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے، البتہ نکاح میں رہنے کی صورت میں آئندہ شوہر پر لازم ہوگا کہ اپنی استطاعت و قدرت کے مطابق اس عورت کو اس برے کام سے بچانے کا بندوبست کرے اور اسے اصلاح کی نصیحت کرتا رہے۔

وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

دوسری شادی کی صورت میں جرمانے کی شرط لگانا

مجیب: مفتی علی اصغر صاحب مدظلہ العالی

تاریخ اجراء: ماہنامہ فیضان مدینہ اکتوبر/نومبر 2018

دَارُالاِفْتَاء اَہلسُنَّت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ نکاح فارم میں یہ شرط لگانا کیسا ہے کہ اگر شوہر نے طلاق دی یا دوسری شادی کی تو دو لاکھ روپے کی رقم دینی پڑے گی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

یہ صورت تعزیر بالمال یعنی مالی جرمانے میں آتی ہے یوں لکھوانا جائز نہیں ہے۔ البتہ اس طرح کی رقم مہر کے طور پر لکھوائی جا سکتی ہے، نکاح نامہ میں مہر کا کالم موجود ہوتا ہے اور مہر ہمارے یہاں دو طرح سے لکھا جاتا ہے ایک یہ ہوتا ہے کہ فوری دیا جائے اور ایک وہ ہوتا ہے جو فوری نہیں دیا جاتا بلکہ طلاق ہو جائے یا شوہر کی وفات ہو جائے تو ترکے سے دیا جاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں سے کسی بھی قسم میں مہر کے طور پر لکھوایا جا سکتا ہے کہ شوہر نے بیوی کے لئے اتنا مہر مقرر کیا ہے مہر چاہے کتنا ہی مقرر کر لیں کوئی منع نہیں ہے قرآنِ پاک کی واضح آیت موجود ہے لیکن الگ سے لکھوانا کہ اگر طلاق دے دی تو اتنے پیسے اور دینے پڑیں گے یہ جائز نہیں۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

شادی کا تقدیر میں لکھا جا چکا ہے، تو کسی عورت کا رشتہ مانگنا کیسا؟

مجیب: مولانا محمد کفیل رضا عطاری مدنی

فتوی نمبر: Web-1410

تاریخ اجراء: 12 رجب المرجب 1445ھ / 24 جنوری 2024ء

دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

شادی کس سے ہونی ہے وہ تو تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور بدل نہیں سکتا، اگر کوئی شخص کسی عورت کی دینداری، حسنِ اخلاق و آداب وغیرہ کا سن کر اس سے رشتہ کرنا چاہے، تو اس کا ہاتھ مانگ سکتا ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب تقدیر میں لکھا جا چکا ہے کس کی کس سے شادی ہونے ہے، کون کب فوت ہو گا، کہاں نوکری کرے گا، کہاں کب کیا کھائے گا وغیرہ وغیرہ، لیکن جب انسان کو معلوم ہی نہیں ہے کہ کیا لکھا ہے؟ تو قبل از وقت یہ سوچنا بے کار ہے کہ تقدیر بدل سکتی ہے یا نہیں؟ ہو سکتا ہے جس سے شادی کرنا چاہتا ہو، اسی کے ساتھ اس کی جوڑی لکھی ہو، بلکہ اگر تقدیر میں لکھا جا چکا تو جائز طریقہ پر کوشش کرنے اور دعا کرنے میں یہ بات رکاوٹ نہیں ہے کہ بعض تقدیریں اللہ عزوجل کے حکم اور دعا سے بدل جاتی ہیں۔

لہٰذا اگر کوئی شخص کسی نیک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے، تو اس کے لئے شریعت کے دائرہ کار میں رہ کر عرف و عادات کا لحاظ کرتے ہوئے والدین کے ذریعے لڑکی کا رشتہ مانگنا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

عورت کا اپنے شوہر کو باپ کہہ دینے کا حکم

مجیب: مولانا جمیل احمد غوری عطاری مدنی

فتوی نمبر: Web-1005

تاریخ اجراء: 26صفر المظفر1445ھ /13ستمبر2023ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

عورت نے اپنے شوہر کو باپ کہہ دیا یعنی او میرے باپ ایسے نہیں ایسے ہے، کیا اس سے نکاح ٹوٹ جائے گا؟

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

بیوی کا شوہر کو باپ کہنا یا شوہر کا اسے ماں کہنا گناہ ہے مگر اس سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کو محارم والے رشتے کے الفاظ سے نہیں پکار یا بلا سکتے مثلاً ایک دوسرے کو بہن بھائی، یا بیٹا بیٹی بھی نہیں کہہ سکتے۔

سنن ابو داؤد میں ہے: "أن رجلا قال لإمرأته: یا أُخَیَّةُ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم: أُختک هی، فکرہ ذلک ونهی عنه۔" ایک شخص نے اپنی بیوی کو اے میری بہن! کہہ کر پکارا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ تیری بہن ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے ناپسند فرمایا اور اس سے منع کیا۔" (سنن ابو داؤد، کتاب الطلاق، ج1، ص319، الحدیث: 2210، لاہور)

وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُه اَعۡلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیۡهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

عورت کو مہر کے مطالبے کا اختیار کب ہوگا؟

مجیب: مفتی محمد قاسم عطاری

تاریخ اجراء: ماہنامہ فیضانِ مدینہ مارچ 2022ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عقدِ نکاح میں مہر بیان کر دیا جائے مگر فوراً ادا نہ کیا جائے اور نہ ہی دینے کی کوئی تاریخ مقرر کی جائے، تو عورت کو اس مہر کے مطالبے کا اختیار کب ہو گا؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جب بوقتِ نکاح مہر فوراً نہ دیا جائے اور نہ ہی بعد میں دینے کی کوئی تاریخ مقرر کی جائے، تو شرعاً اس کی مدت موت یا طلاق قرار پاتی ہے، لہٰذا جب تک شوہر کی وفات یا عورت کو طلاق واقع نہ ہو، تب تک عورت مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی، کیونکہ ایسی صورت میں مہر کے مطالبے کا دار و مدار عُرف پر ہوتا ہے اور پاک و ہند میں عُرف یہی ہے کہ مہر کی مدت مقرر نہ ہو، تو طلاق یا شوہر کی وفات تک اس کو مؤخر سمجھا جاتا ہے، لہٰذا طلاق یا شوہر کی وفات ہونے کی صورت میں ہی عورت مہر کا مطالبہ کر سکتی۔ عورت کی موت کی صورت میں بھی مہر کی ادائیگی فوراً لازم ہو جاتی ہے اور اب اس کے حق دار ورثاء ہوں گے، اگرچہ ورثاء میں خود شوہر بھی شامل ہوتا ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کیا نکاح میں صرف عورتوں کو گواہ بنا سکتے ہیں؟

مجیب: عبدہ المذنب محمد نوید چشتی عفی عنہ

فتوی نمبر: WAT-1181

تاریخ اجراء: 22ربیع الاول1444ھ /19اکتوبر2022ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

اگر کوئی بھی مرد نہ ہو، تو کیا نکاح کے لیے چار عورتیں گواہ بن سکتی ہیں؟

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

نکاح کے گواہوں میں اگر ساری عورتیں ہوں، کوئی مرد نہ ہو، تو نکاح درست نہیں ہو گا، کیونکہ نکاح کے درست ہونے کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر نکاح درست نہیں ہو گا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے "ولا يشترط وصف الذكورة حتى ينعقد بحضور رجل وامرأتين، كذافي الهداية ولا ينعقد بشهادة المرأتين بغير رجل" ترجمہ: نکاح میں گواہوں کا مرد ہونا شرط نہیں بلکہ ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے، البتہ مرد کے بغیر صرف دو عورتوں کی موجودگی سے نکاح منعقد نہیں ہو گا۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب النکاح، ج1، ص268، دار الفکر، بیروت)

وَاللهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُه اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کیا شادی شدہ عورت کا ناک میں زیور پہننا ضروری ہے؟

مجیب: محمد عرفان مدنی عطاری

فتوی نمبر: WAT-1666

تاریخ اجراء: 02ذوالقعدۃالحرام1444ھ/22مئی2023ء

دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کچھ عورتوں کا کہنا ہے کہ شادی شدہ عورت کو اپنی ناک سے نتھنی نہیں اتارنی چاہیے، شرعی رہنمائی فرمائیں کہ کیا یہ پہننا لازم و ضروری ہے؟

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

عورت کا ناک میں زیور پہننا جائز ہے اور شوہر کے لیے سنگار کی نیت سے مستحب ہے لیکن مطلقا اس پہننے کو لازم نہیں کہہ سکتے۔ ہاں اگر ماں یا باپ یا شوہر کا حکم ہو تو ان خاص صورتوں میں ان کی اطاعت لازم ہونے کی وجہ سے اس پر یہ زیور پہننا لازم ہو گا۔

امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے سوال ہوا کہ: "چوڑیاں کانچ کی عورتوں کو جائز ہیں پہننا یا ناجائز ہیں؟"

تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا: جائز ہیں، لعدم المنع الشرعی (اس لئے کہ کوئی شرعی مانع نہیں۔) بلکہ شوہر کے لئے سنگار کی نیت سے مستحب "وانما الاعمال بالنیات" (اعمال کا دار و مدار ارادو پر ہے۔) بلکہ شوہر یا ماں یا باپ کا حکم ہو تو واجب: "لحرمۃ العقوق ولوجوب طاعۃ الزوج فیما یرجع الی الزوجیۃ۔" (اس لئے کہ والدین کی نافرمانی حرام ہے اور شوہر کی فرمانبرداری بسلسلہ حقوق زوجیت واجب ہے۔) (فتاوی رضویہ، ج22، ص116، 115، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوۡلُہ اَعۡلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

لہنگا پہننا کیسا ہے؟

مجیب: مفتی محمد قاسم عطاری

فتوی نمبر: 08

تاریخ اجراء: 16 رجب المرجب 1439ھ/03 اپریل 2018ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے ہاں عورتوں کو لہنگا پہننا اور لہنگا پہن کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

فی زمانہ ہمارے ملک پاکستان میں جس قسم کا بڑے سائز کا پورے بدن کو اچھی طرح ڈھانپ دینے والا لہنگا رائج ہے اس طرح کا لہنگا پہننا اور اسے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے کیونکہ لہنگا فی زمانہ شعارِ کفار نہیں رہا، بلکہ مسلم خواتین میں بھی عام و شائع ہو چکا ہے اور لہنگا پہننے سے سترِ عورت بھی ہو جاتا ہے، لہٰذا فی زمانہ لہنگا پہننے میں حرج نہیں ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں: ''تشبہ وہی ممنوع و مکروہ ہے، جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو یا وہ شے ان بدمذہبوں کا شعارِ خاص یا فی نفسہ شرعاً کوئی حرج رکھتی ہو، بغیر ان صورتوں کے ہر گز کوئی وجہ ممانعت نہیں۔'' (فتاویٰ رضویہ، جلد 24، صفحہ 534، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فتاویٰ امجدیہ میں اپنے زمانے میں لہنگا پہن نماز پڑھنے کے متعلق فرماتے ہیں: ''لہنگے سے بھی نماز ہو جائے گی، جبکہ ستر ہو جاتا ہو، **مگر یہ ہندوؤں کا لباس ہے۔** مسلمان عورتیں اس سے اجتناب کریں۔۔۔ نماز کے لیے سترِ عورت فرض ہے۔ جب سترِ عورت ہو جائے، نماز ہو جائے گی۔'' (فتاویٰ امجدیہ، جلد 1، صفحہ 182، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی)

فتاوی امجدیہ میں لہنگے کو ہندوؤں کا لباس قرار دیا ہے، لیکن اب ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ہے اور جب شعار بدل جائے تو حکم بدل جاتا ہے، جیسا کہ فتاویٰ فقیہ ملت میں ہے: ''جو لباس کسی قوم کے ساتھ خاص نہ ہو یا پہلے خاص تھا، اب خاص نہ رہا، عام ہو گیا، وہ کسی قوم کا خاص لباس نہیں کہلائے گا۔ اگرچہ وہ اس قوم کا ایجاد کردہ ہے۔۔۔ پینٹ کا استعمال (جو پہلے صرف انگریزوں کے ساتھ ہی خاص تھا) اب بالکل عام ہو چکا ہے، ہندو و مسلم ہر کوئی اس کو استعمال کرتا ہے۔ کسی قوم کے ساتھ خاص نہ رہا۔ اس لیے اگر پینٹ ایسا ڈھیلا ہو کہ نماز ادا کرنے میں دشواری نہ ہو، تو اسے پہن کر نماز جائز ہے۔'' (فتاویٰ فقیہ ملت، جلد 1، صفحہ 179، مطبوعہ شبیر برادرز، لاھور)

وَاللہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوۡلُہ اَعۡلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

بیوی کا اپنے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانا

مجیب: ابو احمد محمد انس رضا عطاری مدنی

فتوی نمبر: WAT-1022

تاریخ اجراء: 01 صفر المظفر 1444ھ / 29 اگست 2022ء

دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا عورت اپنے نام کے ساتھ اپنے شوہر کا نام لگا سکتی ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

بیوی کا اپنے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانا، جائز ہے کیونکہ بیوی کا اپنے نام کے ساتھ شوہر کا نام لگانا اپنا نسب بتانے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ رشتہ زوجیت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے لہذا اس میں شرعا کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ ! زیادہ بہتر یہ ہے کہ شوہر کے بجائے والد کا نام لگائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ والد کا رشتہ ہمیشہ رہنے والا ہے ، جبکہ شوہر کا رشتہ ہمیشہ رہے ، یہ ضروری نہیں، جیسے وفات کی صورت میں ختم ہو جاتا ہے یا طلاق کی صورت میں ختم ہو جاتا ہے اور پھر نام کی تبدیلی کروانی پڑتی ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ والد کا نام ساتھ لگایا جائے۔

وَاللہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

بالغ لڑکا لڑکی کا کورٹ میرج کرنا کیسا ہے؟

مجیب: مفتی ھاشم صاحب مدظلہ العالی

فتوی نمبر: Lar:6101

تاریخ اجراء: 27 محرم الحرام 1438ھ/29 اکتوبر 2016ء

دَارُالاِفْتَاء اَہلسُنَّت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ ایک بالغ لڑکی اور بالغ لڑکے نے گھر والوں کی مرضی کے بغیر کورٹ میرج کی جہاں کسی مولانا صاحب نے دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کروایا۔ لڑکا، لڑکی کا کفو ہے یعنی کسی معاملے میں لڑکی سے اس قدر کم نہیں کہ اس کے ساتھ نکاح کرنا لڑکی کے اولیاء کے لیے باعث شرمندگی ہو، لڑکا راجپوت اور لڑکی آرائیں برادری سے تعلق رکھتی ہے۔ شرعی رہنمائی فرمائیں کہ یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

لڑکی لڑکے کا والدین کی اجازت کے بغیر چھپ کر نکاح کر لینا ممنوع ہے کیونکہ عموماً یہ معاملہ کئی گناہوں پر مشتمل ہوتا ہے مثلاً غیر محرم مرد وعورت کا آپس میں تنہائی میں ملنا، بلاوجہ شرعی بات چیت کرنا، والدین کی تذلیل وایذا کا سبب بننا وغیرہ لیکن چونکہ لڑکا، لڑکی دونوں بالغ ہیں اور لڑکا، لڑکی کا کفو ہے یعنی کسی معاملے میں لڑکی سے اس قدر کم نہیں کہ اس کے ساتھ نکاح کرنا لڑکی کے اولیاء کے لیے باعث ننگ وعار ہو لہذا یہ نکاح درست واقع ہوا۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

تجدید نکاح کی تفصیل اور طریقہ

فتوی نمبر: WAT-178

تاریخ اجراء: 15ربیع الاول1443ھ /22اکتوبر2021ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

تجدید نکاح کیا ہوتا ہے؟اس کی تفصیل اور طریقہ کار طریقہ بتادیجئے؟

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

تجدید نکاح کا مطلب ہے: "نیا نکاح کرنا۔" اِس کیلئے لوگوں کو اکٹھا کرنا ضروری نہیں۔ نکاح نام ہے ایجاب و قبول کا ۔ہاں بوقت نکاح بطور گواہ کم از کم دو مرد مسلمان یا ایک مرد مسلمان اور دو مسلمان عورتوں کا حاضر ہونا لازِمی ہے۔ خطبہ نکاح شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ خطبہ یاد نہ ہو تو اَعُوْذُ بِاللہ اور بِسمِ اللہ شریف کے بعد سورۂ فاتحہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ کم از کم دس درہم یعنی دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی (موجودہ وزن کے حساب سے 30 گرام 618ملی گرام چاندی) یا اُس کی رقم مہر واجب ہے۔ تو اب مذکورہ گواہوں کی موجودگی میں آپ "ایجاب" کیجئے یعنی عورت سے کہیے: "میں نے اتنے روپے مہر کے بدلے آپ سے نکاح کیا۔" عورت کہے: "میں نے قبول کیا۔" نکاح ہوگیا۔ (تین بار ایجاب و قبول ضَروری نہیں اگر کرلیں تو بہتر ہے) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عورت ہی خطبہ یا سورۂ فاتحہ پڑھ کر "ایجاب" کرے مرد کہدے: "میں نے قبول کیا،" نکاح ہوگیا۔ بعدِ نکاح اگر عورت چاہے تو مہر معاف بھی کرسکتی ہے۔ مگر مرد بلاحاجت شرعی عورت سے مہر معاف کرنے کا سوال نہ کرے۔

نوٹ: جن صورتوں میں نکاح ختم ہو جاتا ہے مثلاً صریح یعنی کھلا کفر بکا اور مرتد ہوگیا تو تجدید نکاح میں مہر واجب ہے، البتہ احتیاطی تجدید نکاح میں مہر کی حاجت نہیں۔ نیز مرتد ہوجانے کے بعد توبہ و تجدید ایمان سے قَبل جس نے نکاح کیا اُس کا نکاح ہوا ہی نہیں۔

وَاللہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

تجدید نکاح میں گواہ ہونا ضروری ہے

مجیب: مولانا محمد سجاد عطاری مدنی

فتوی نمبر: WAT-2139

تاریخ اجراء: 17 ربیع الثانی 1445ھ / 02 نومبر 2023ء

دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

میرا سوال یہ ہے کہ تجدید نکاح میں گواہوں کا ہونا ضروری ہے، یا میاں بیوی خود بھی کر سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جی ہاں! تجدید نکاح میں بھی گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ تجدیدِ ایمان و تجدیدِ نکاح کا آسان طریقہ نامی رسالہ میں ہے: ”تجدیدِ نِکاح کے لیے لوگوں کو اِکٹھا کرنا ضَروری نہیں۔ نِکاح نام ہے اِیجاب و قَبول کا۔ ہاں بوقتِ نِکاح بطورِ گواہ کم از کم دو مسلمان مَرد یا ایک مسلمان مَرد اور دو مسلمان عورَتوں کا حاضِر ہونا لازِمی ہے۔ خطبۂ نِکاح شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ خُطبہ یاد نہ ہو تو خطبے کی نیت سے اَعُوْذُ بِاللہ اور بِسْمِ اللہ شریف کے بعد سورۂ فاتحہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔“ (تجدیدِ ایمان و تجدیدِ نکاح کا آسان طریقہ، ص 06، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

شادی وغیرہ کی تصاویر کا البم بنانے کا حکم

مجیب: مولانا عابد عطاری مدنی

فتوی نمبر: Web-1276

تاریخ اجراء: 01جمادی الثانی1445ھ/15دسمبر2023ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

اپنی شادی وغیرہ کی تصاویر کا البم بنانے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں جبکہ مقصود تعظیم نہ ہو بلکہ میموریز محفوظ کرنا مقصد ہو اور یو ایس بی، موبائل وغیرہ کبھی فارمیٹ بھی ہو جاتے ہیں اس لئے البم بنانا چاہ رہے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

پرنٹ شدہ تصاویر کا البم بنانا، ناجائز و حرام ہے خواہ شادی کے موقع کا ہو یا کسی اور موقع کا۔ نیز اگر ایسے البمز کا پرنٹ نہ بھی کروایا جائے تو پھر بھی اجنبی مردوں کا غیر محرم عورتوں کی تصاویر لینا اور ان کی ایڈیٹنگ کرنا یا اجنبی مرد اور اجنبی عورت کا ایک ساتھ تصویر بنوانا وغیرہ کئی خلاف شرع کاموں کا مجموعہ ہے جن سے بچنا شرعاً لازم ہے۔

اگر واقعی تصاویر میں کوئی ناجائز بات نہیں ہے اور تصویر کھینچے میں کوئی ناجائز کام نہیں کیا نیز تصویر کا پرنٹ بھی نہیں کیا بلکہ ڈیجیٹل تصویر ہے تو ایسی تصاویر کو موبائل کمپیوٹر وغیرہ میں رکھنا، جائز ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

شوہر کو نام کے ساتھ پکارنا

فتوی نمبر: WAT-815

تاریخ اجراء: 17 شوال المکرم 1443ھ / 19 مئی 2022ء

دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

بچے ہونے سے پہلے، بیوی شوہر کو کس نام سے پکارے، جبکہ شوہر کو اپنے نام کے ساتھ پکارنا، پسند نہ ہو۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

عورت کو چاہیے کہ کسی ایسے لفظ سے پکارے کہ جو شوہر کو پسند ہو، مثلاً: حضور، میرے سر تاج، یا بھتیجے وغیرہ ہوں تو مثلاً فلاں کے چچا یا شوہر کوئی لفظ بتاتا ہے کہ مجھے اس نام سے بلایا کرو اور اس میں کوئی شرعی خامی نہیں تو اس لفظ سے پکاریں۔ الغرض شوہر کو نام کے ساتھ نہ پکارا جائے کہ اسے نام سے پکارنا مکروہ ہے لیکن اگر کسی نے پکار لیا تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور نہ اسے گناہ ہو گا۔ بہار شریعت میں ہے "عورت کو یہ مکروہ ہے کہ شوہر کو نام لے کر پکارے۔ (در مختار) بعض جاہلوں میں یہ مشہور ہے کہ عورت اگر شوہر کا نام لے لے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے، یہ غلط ہے۔ شاید اسے اس لئے گڑھا ہو، کہ اس ڈر سے، کہ طلاق ہو جائے گی، شوہر کا نام نہ لے گی۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُه اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو الحسن ذاکر حسین عطاری مدنی

کیامسلمان عورتیں شادی کے بعد سر میں سندور لگا سکتی ہیں؟

مجیب: ابو صدیق محمد ابو بکر عطاری

فتوی نمبر: WAT-1108

تاریخ اجراء: 26 صفر المظفر 1444ھ/23 ستمبر 2022ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کچھ مسلم عورتیں شادی کے بعد سر میں سندور لگاتی ہیں میرا سوال یہ ہے کہ کیا یہ سندور لگانا درست ہے؟

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

مسلمان عورتوں کا سندور لگانا ناجائز و حرام ہے۔ صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: "سندور لگانا مثلہ میں داخل ہے اور حرام ہے نیز اس کا جرم پانی بہنے سے مانع ہو گا، جس سے غسل نہیں اترے گا۔" (فتاوی امجدیہ، جلد4، صفحہ60، مکتبہ رضویہ، کراچی)

فتاوی فقیہ ملت میں ہے "سندور یا اس کی مثل کوئی دوسرا رنگ عورتوں کو مانگ میں لگانا حرام ہے۔" (فتاوی فقیہ ملت، جلد2، صفحہ349، شبیر برادرز، لاہور)

وَاللہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوۡلُہ اَعۡلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

گود بھرائی کی رسم کا شرعی حکم

مجیب: مولانا سید مسعود علی عطاری مدنی

فتوی نمبر: Web-961

تاریخ اجراء: 27 ذوالقعدۃ الحرام 1444ھ / 17 جون 2023ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

گود بھرائی کی رسم کے متعلق اسلام کیا کہتا ہے؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

گود بھرائی کی رسم میں عموماً عورت کی گود میں مختلف قسم کے پھل اور خشک میوہ جات ڈالے جاتے ہیں، پھر ان پھلوں کو نیک فال کے طور پر ان عورتوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے جن کے گھر اولاد نہ ہو۔ اس طرح کی رسم میں شرعاً کوئی حرج نہیں جبکہ اس میں ناچ گانا، بے پردگی، مرد و عورت کا اختلاط یا اور کسی قسم کا گناہ کا کام شامل نہ ہو۔ لیکن عام طور پر اس رسم میں بے پردگی، ناچ گانا وغیرہ بھی ہوتا ہے، اگر یہ صورت ہو تو ایسی رسم منانا شرعی طور پر ناجائز و گناہ ہے۔

یاد رہے کہ یہ شریعت کی بتائی ہوئی رسم نہیں ہے بلکہ ایک خاندانی رسم ہے۔ ایسی خاندانی رسموں میں جب تک خلاف شرع امور نہ کیے جائیں، جائز ہیں۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

منگیتر سے موبائل پر بات کرنا

مجیب: عبدہ المذنب محمد نوید چشتی عفی عنہ

فتوی نمبر: WAT-1031

تاریخ اجراء: 03 صفر المظفر 1444ھ/13 اگست 2022ء

دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

کیا لڑکی منگیتر سے موبائل چیٹنگ پر بات کر سکتی ہے؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

نکاح سے پہلے دیگر نامحرم مردوں کی طرح وہ لڑکا بھی اپنی منگیتر کے لئے اجنبی ہوتا ہے، لہٰذا اُس سے میسج یا فون پر یا اس طرح کا کسی قسم کا بھی رابطہ رکھنے کی شرعاً بالکل اجازت نہیں اور اس سے بات چیت کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

منہ دکھائی کی رسم اور اس کی رقم کا حکم

مجیب: عبدہ المذنب محمد نوید چشتی عفی عنہ

فتوی نمبر: WAT-1499

تاریخ اجراء: 23 شعبان المعظم 1444ھ/16 مارچ 2023ء

دار الافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

خاندان کے مختلف افراد دلہن کو منہ دکھائی کے نام پر جو رقم دیتے ہیں، کیا وہ لینا جائز ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

ہمارے ہاں عام طور پر ایک رسم ہوتی ہے کہ نئی دلہن سے ملاقات کرنے جو قریبی رشتہ دار وغیرہ آتے ہیں، وہ منہ دکھائی کے نام پر کچھ رقم یا تحائف وغیرہ دلہن کو پیش کرتے ہیں، فی نفسہ وہ رقم لینا یا تحائف قبول کرنا شرعاً جائز ہے، ہاں یہ یاد رہے کہ غیر محرم مرد کو چہرہ دیکھنے یا ان کو دکھانے کی شرعا اجازت نہیں ہے، اسی طرح مردوں اور عورتوں کا اختلاط وغیرہ ناجائز کام کرنے کی اجازت نہیں۔ پس اگر اس رسم میں بے پردگی، بے حیائی، مردوں اور عورتوں کا اختلاط یا اس کے علاوہ خلافِ شرع امور میں سے کسی کا ارتکاب ہو، تو اس انداز سے ایسی رسموں پر عمل کرنا، ناجائز و حرام ہے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

مہندی سے ہاتھ پر شوہر کا نام لکھنا

مجیب: ابو احمد محمد انس رضا عطاری مدنی

فتوی نمبر: WAT-1809

تاریخ اجراء: 19 ذوالحجۃ الحرام 1444ھ/8 جولائی 2023ء

دارالافتاء اہلسنت

(دعوت اسلامی)

سوال

عورت کا مہندی سے ہاتھ پر شوہر کا نام لکھنا کیسا ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

عورت کا مہندی سے یا کسی دوسری چیز قلم وغیرہ سے ہاتھ پر شوہر کا نام لکھنا درست نہیں ہے اس سے بچا جائے وجہ اسکی یہ ہے کہ نفس کلمات بلکہ حروف کا بھی ادب ہے اب اگر نام ہاتھ پر لکھا جائے تو چونکہ ہاتھ زمین پر بھی رکھتے ہیں اور مختلف کام کاج میں بھی استعمال ہوتا ہے تو یوں بے ادبی کا شائبہ ہے پھر بعض نام اسمائے الٰہیہ یا انبیائے کرام علیھم الصلوۃ والسلام کے نام پر بھی ہوتے ہیں ان کا ادب تو اور زیادہ ضروری ہے لہذا بہر طور ہاتھ پر نام لکھنے سے بچا جائے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم